شیطان

عصمت

شیطان

نیا ادارہ —— لاہور

بار اوّل

تعداد : گیارہ سو

پبلشر : نیا ادارہ - ۱۵ سرکلر روڈ - لاہور

پرنٹرز: سویرا آرٹ پریس - لاہور

ڈرامے

شیطان

کردار

سجاد :- بہت روشن خیال اور آزاد نوجوان - حد درجہ ترقی پسند - بحث اچھی کرتا ہے

روشن :- بہت کم سخن اور نازک دماغ ، زود رنج ، ذرا سی دیر میں رو پڑتی ہے - میاں کی آزادی سے عاجز ہے مگر سجاد ہمیشہ اسے سمجھا کر قائل کر دیتا ہے - درد میں ڈوبی ہوئی آواز -

احمد :- علم دوست ، خاموش طبیعت کا انسان ، سجاد کا بچپن کا دوست ، گو طبیعت میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر پھر بھی دوستی قائم ہے - بڑی سلجھی ہوئی بھاری آواز رنگین بیان -

صوفیہ :- احمد کی چلبلی اور ہر دلعزیز بیوی - بالکل سجاد کی ہم خیال ، باریک قہقہوں سے بھری رنگین آواز -

(سب کے سب انتہائی جذباتی اور بہت آسانی سے متاثر ہونے والے اور رقیق القلب ہیں -)

سین پہلا

(جب پردہ اٹھتا ہے تو سجاد رُوٹھے ہوئے میاں کے انداز میں کھڑا ہے۔ اور روشن مجروح پرندے کی طرح کرسی پہ گری ہوئی ہے)

روشن :۔ (انتہائی جذباتی انداز میں) تم . . . تم سجاد . . . میرے کان مجھے دھوکا دے رہے ہیں . . . یہ نہیں ہو سکتا . . . یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

سجاد :۔ روشن بے کار بات کو بڑھا رہی ہو . . . میں مجبور ہوں۔

روشن :۔ مجبور . . . اور اس چڑیل صوفیہ نے تمہیں مجبور بنا دیا ہے۔ میں تمہاری بیوی آج تک تمہیں ایک لمحہ کے لئے مجبور نہ بنا سکی۔ اور . . .

سجاد :۔ یہ اپنے بس کی بات نہیں روشن۔

روشن :۔ ہاں کسی کو مجبور بنا دینا میرے بس کی بات نہیں۔ میں عورت نہیں برف کا تودہ ہوں کہ کسی کے خرمن ہستی کو جلانا تو درکنار اپنی منتوں سے کسی کا دل بھی نرم نہیں کر سکتی۔

سجاد :۔ میں نے کب کہا کہ تم برف کا تودہ ہو!

روشن :۔ تو پھر کیوں . . . اگر میں بھی شعلہ ہوتی تو . . .

سجاد :۔ تم میرے لئے شعلہ نہیں تو اس کے یہ تو معنی نہیں کہ کوئی دوسرا کوئی . . .

روشن :۔ شرم نہیں آتی . . . ہُنہ کوئی دوسرا . . . تم نے بھی مجھے صوفیہ سمجھ لیا

ہے کہ اچھے بھلے میاں کو چھوڑ کر تیرے میرے گھر اجاڑتی پھرتی ہے۔ بے حیا۔

سجاد :- مگر میں تو اچھا بھلا میاں نہیں۔

روشن :- تو . . . تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں . . . . میں کسی اور کم بخت . . . اوہ . .

سجاد :- روشن تم بے کار ایکٹروں کی طرح ایک معمولی بات کو اتنا طول دے رہی ہو۔

روشن :- یہ . . . یہ معمولی بات ہے . . . ؟ شادی ایسا رشتہ نہیں کہ جب چاہا توڑ دیا۔

سجاد :- تم ہی بتاؤ۔ اگر دو دل کسی طرح نہ مل سکتے ہوں تو پھر کیسی شادی اور کیسا رشتہ!

روشن :- مگر مل کیوں نہیں سکتے۔ اتنے سال ہماری شادی کو ہو گئے . . . اوہ کیسے کیسے وعدے کئے تھے . . . سب بھول گئے . . . سب دھوکا تھا۔

سجاد :- ہماری شادی ہی ایک دھوکا تھی چند بے وقوفوں کی چالاکی سے دیا ہوا دھوکا۔

روشن :- تم . . . . تم . . . . یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ سجاد بنی بنائی دنیا کو اس چڑیل کی اداؤں نے کیا اس بُری طرح گرا دیا ہے کہ اب . . . اب . . . .

سجاد :- اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب دو دل اتنی دور ہٹ چکے ہوں تو . . . .

روشن :- مگر میں بھی تو معلوم کروں کہ آخر میں نے کیا کیا جو تم . . . . .

سجاد :- تم نے کچھ نہیں کیا . . . . .

روشن :- تو پھر اس بے حیا . . . . .

سجاد :- صوفیہ کو گالی دے کر تم مجھے اور بھی اس کے قریب دھکیلے دے رہی ہو۔

روشن :- اوہ . . . . اس نے تمہیں اپنے جال میں جکڑ لیا اور میں کچھ نہ کہوں . . .

سجاد :- اس نے مجھے کسی جال وال میں نہیں جکڑا . . . ہم ازل ہی سے ایک

دوسرے کے لئے پیدا ہوئے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور قدرت ہمیں ایک دوسرے کی طرف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

روشن :- کھینچ رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہی کہنے والے تھے نا ۔ ۔ ۔ ۔ یہی الفاظ تم نے مجھے کتنی بار کہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اور اب یہی تم ۔ ۔ ۔ ۔

سجاد :- (کچھ قائل ہو کر) جو کچھ بھی سمجھو ۔ مگر میں تمہیں یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ ۔ ۔ ۔

روشن :- میں ۔ ۔ ۔ ۔ میں کچھ یقین نہیں کروں گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ابھی جا کر اسے مزا چکھاتی ہوں کہ سات پشتیں بھی جاگ اٹھیں ۔ ۔ ۔ مکار کہیں کی ۔ ۔ ۔ ۔

سجاد :- تم صوفیہ کو نہیں سمجھتیں ۔

روشن :- ہاں آں ۔ ۔ ۔ ۔ کیوں سمجھوں گی ۔ وہ ہیں ہی ایسی بڑی اللہ والی کہ ۔ ۔ ۔

سجاد :- (بات کاٹ کر) تم جیسی جاہل عورتیں اسے سمجھ ہی نہیں سکتیں ، وہ تمہارے تخیّل سے بھی بالاتر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اسے مجھ سے جو محبت ہے اسے تم سمجھ ہی نہیں سکتیں ۔ یہ ایک فلسفہ ہے ۔

روشن :- چولھے میں جائے فلسفہ ۔ میں ہی اجڑی رہ گئی تھی اس فلسفہ کی بھڑاس نکالنے کو ۔

سجاد :- میں نے جو کچھ کہنا تھا وہ شرافت سے (جانے لگتا ہے) میں نے کہہ دیا ۔ ۔ ۔

روشن :- یہ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ شرافت ہے ---- مجھے چھوڑ کر ۔ ۔ ۔ ۔

سجاد :- اچھا تو کمینہ پن ہی سہی ۔ ۔ ۔ ۔ خیر اب تمہیں میرے اس کمینہ پن کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے گا ۔

روشن :- اوہ ۔ ۔ ۔ ۔ اوہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے) خدا غارت کرے میری بہن بنی تھی کہ آستین کا سانپ بن کر مجھے ہی ڈس لیا ۔ ۔ ۔ ۔ دنیا

میں مردوں کی کیا کمی تھی کہ . . . اوہ . . . مگر مزہ نہ چکھا دیا ہو . . .
ڈرائیور . . . بوائے ، بوائے (پکارتی ہے)

بوائے :- جی سرکار -

روشن :- ڈرائیور سے کہو - فوراً موٹر نکالے . . . مکّار . . . خدا غارت کرے . . .

بوائے :- بہت اچھا -

روشن :- (بٹوا اور دوسرے لوازمات سمیٹتی ہے) یاد ہی کریں گی -

بوائے :- جی -

روشن :- غارت ہو یہاں سے ، تجھ سے نہیں کہہ رہی ہوں (مڑ کر) یوں آسانی سے میری دنیا . . . تباہ کر کے خود چین سے نہیں بیٹھ سکتی . . . .
(بڑبڑاتی نکل جاتی ہے)

سین دوسرا

(احمد اپنے کمرے میں اداس بیٹھا ہے - روشن آتی ہے)

احمد :- کون . . . اوہ . . .

روشن :- جی میں . . . میں آپ کی بیوی سے ملنے آئی ہوں -

احمد :- (تلخی سے) ہُنہ . . . میری بیوی !

روشن :- کہاں ہیں وہ ؟

احمد :- یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں -

روشن :- آپ سے نہ پوچھوں تو پھر کس سے پوچھوں . . . آپ ان کے شوہر ہیں -

احمد :- ہوں نہیں ۔ ۔ ۔ کبھی تھا۔

روشن :- تو پھر بتائیے کہاں ہیں آپ کی شوقین بیگم۔ میں نے آخر ان کا کیا بگاڑا تھا جو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے تباہ کر کے ۔ ۔ ۔ اوہ ۔ ۔ ۔

احمد :- کیا مطلب ہے آپ کا؟ آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے اس کو سکھا دیا تھا کہ آپ کا گھر بگاڑ کر ۔ ۔ ۔

روشن :- تو ۔ ۔ ۔ پھر ۔ ۔ ۔ آپ اس کے شوہر جو ہیں ۔ ۔ ۔ شرم نہیں آتی آپ کو ایسی آوارہ عورت کا میاں کہلاتے ۔ ۔ ۔ اس سے تو بہتر تھا کہ آپ ڈوب مرتے۔

احمد :- مگر ۔ ۔ ۔ ا ۔ ۔ ۔ تو ۔ ۔ ۔ آپ کو خود شرم نہیں آتی۔ اس قدر بدمعاش میاں کی بیوی ۔ ۔ ۔

روشن :- میں تو مجبور ہوں ۔ ۔ ۔ مگر تُف ہے آپ کے اوپر کہ یہ جانتے ہوئے کہ بیوی شریف گھرانوں کے لئے کھلے خطرے کا اعلان ہے اسے نہیں رکھتے۔

احمد :- (سخت جل کر) ا ۔ ۔ ۔ محترمہ ۔ ۔ ۔ ذرا آپ ہی بتائیے آپ اپنے لفنگے چھیلا کی ٹانگ پٹی سے باندھ کر کیوں نہیں رکھتیں۔ اور معاف کیجئے گا ابھی جو ڈوب مرنے کی قیمتی رائے اس خاکسار کو دی جا رہی تھی تو آپ خود کیوں نہیں ڈوب مرتیں!

روشن :- میں؟

احمد :- جی آپ۔

روشن :- زبان سنبھال کر بات کیجئے۔ کمزور دیکھ کر شیر بنے جاتے ہیں۔ میں نے کون سی

آوارگی کی ہے۔ معاف کیجئے گا ایک لٹی ہوئی بدنصیب عورت کو ذلیل کر کے آپ کچھ مردانگی کا ثبوت نہیں دے رہے ہیں۔

احمد :- میری بات تو سنئے۔ ۔ ۔ کس کم بخت کو اپنی مردانگی دکھانے کا شوق ہے۔ ۔ ۔ میں تو۔ ۔ ۔

روشن :- تو پھر آپ اس چڑیل کا گلا کیوں نہیں گھونٹ دیتے۔

احمد :- مگر پھر وہی۔ ۔ ۔ ذرا آپ ہی اس کُھٹنے کا۔ ۔ ۔ میرا مطلب ہے اپنے شوہر نامدار کا ٹینٹوا دبا دیتیں۔ ۔ ۔

روشن :- میں۔ ۔ ۔ میں بے چاری عورت۔ ۔ ۔

احمد :- تو میں بھی کون سا رستم ہوں۔

روشن :- آپ مرد ہیں۔

احمد :- تو اس میں میری کیا خطا ہے!

روشن :- ایں!

احمد :- اور کیا ایک مرد کی حیثیت سے مجھ پر لازم آتا ہے کہ چھُری لے کر بیوی کی ناک کاٹنے دوڑوں۔ میری بیوی بھاگ گئی تو غضب ہو گیا۔ اور آپ کا میاں بھاگ گیا تو۔ ۔ ۔

روشن :- آپ کیسی دیوانوں جیسی باتیں کر رہے ہیں۔

احمد :- آپ۔ ۔ ۔ آپ کا ارادہ کیا ہے۔ ۔ ۔ پہلے تو عزیز از جان دوست۔ ۔ ۔ جو سگے بھائی سے بھی بڑھ کر تھا میری عزت خاک میں ملا کر چل دیا۔ اور اوپر سے بیگم صاحبہ کو زخموں پر نمک پاشی کرنے کے لئے بھیج

دیا ہے۔۔۔۔آخر۔۔۔۔

روشن :- یہ۔۔۔۔ یہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔۔۔ میں قطعی اس ارادے سے نہیں آئی۔ بلکہ میں۔۔۔۔ میں تو۔۔۔اوہ۔۔۔۔

احمد :- آپ عورت ہیں اور رو سکتی ہیں۔ اور اگر ابھی میں اپنے کلیجے کا زخم چیر کر دکھاؤں تو۔۔۔۔۔ تو آپ ہی مجھے نام دھرنے لگیں گی۔ حیف ہے کہ اس مصیبت کے وقت لوگ اور چھریاں نکال نکال کر میرے ہی اوپر تیز کرنے چلے آتے ہیں۔ بجائے ہمدردی کرنے کے آپ بھی۔۔۔۔

روشن :- (اس کے ڈرامائی انداز سے دب کر) مگر۔۔۔۔

احمد :- سچ بتائیے۔۔۔۔ کیا آپ کا خیال ہے مجھے صوفیہ کو قید کر دینا چاہئے تھا؟

روشن :- کیوں نہیں۔

احمد :- یہ۔۔۔۔ تو بس آپ مجھے اب تک نہیں سمجھیں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو زبردستی کے قائل ہیں۔ دوسرے بیوی میاں کا رشتہ زبردستی کا نہیں۔ میں اس کے جسم کو قید کر سکتا ہوں مگر دل کو بیڑیاں نہیں پہنا سکتا۔ ایک دفعہ جب اس کے دل میں دوسرے مرد کا دل داخل ہو گیا تو پھر میری حمیّت وہاں زبردستی کود پڑنے کی اجازت نہیں دیتی۔

روشن :- مگر۔۔۔۔ للہ۔۔۔۔

احمد :- سنئے تو۔۔۔۔ اگر وہ سجاد کو مجھ سے بہتر انسان سمجھتی ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس سے زیادہ محبت کرتی ہے تو میں کیوں

اس کے راستے میں روڑا اٹکاؤں۔ وہ اپنی محبت جس کو چاہے دے —
میں کون ؟

روشن :- لیکن . . . میں کیا کروں . . . میرا گھر بار . . . میری بے قصور بچی . . . ان کا کیا ہوگا . . .

احمد :- اوہ . . . تو یہ بات ہے۔

روشن :- کیا ؟

احمد :- تب تو مجھے سجاد کو معاف کرنا پڑے گا۔

روشن :- کیا مطلب آپ کا — ؟

احمد :- مطلب یہ کہ آپ کو سجاد سے محبت نہیں بلکہ اس کی ضرورت ہے اپنے گھر اور اپنی بچی کی خاطر . . . عورت ہیں نا . . . خود غرض . . مطلبی . . .

روشن :- یہ . . . یہ آپ . . .

احمد :- (بالکل نہ سن کر) ایسے ہی جیسے مجھے اس قالین کی ضرورت ہے یا اس پائدان کی۔

روشن :- آپ بالکل نہیں سمجھتے۔ میں سجاد کو اب بھی اتنا ہی چاہتی ہوں جتنا —— جتنا ہمیشہ چاہتی تھی۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے . . . ہماری زندگی کس قدر خوشگوار گزری ہے یہ آپ شاید نہیں جانتے۔ مگر آپ کی بیوی نے سب کچھ میٹ دیا۔

احمد :- جانتا ہوں اور خوب جانتا ہوں۔ میری زندگی بھی شادی سے لے کر اب تک . . . اوہ (بہت رومانی ہو جاتا ہے) ایک حسین اور لطیف خواب کی طرح رہی . . . مگر . . . اوہ . . .

روشن :- یا اللہ .... مگر (کچھ سوچ کر) لیکن یہ بتایئے مجھ میں ایسا کون سا عیب ہے
جو سجاد نے مجھے ٹھکرا دیا۔ بتایئے کیا میں نکٹی ہوں چپٹی ہوں ؟

احمد :- جی نہیں تو ....

روشن :- کالی کلوٹی ہوں ؟

احمد :- اجی توبہ کیجئے۔

روشن :- پھر کیا ایسی جاہل لٹھ ہوں کہ ......

احمد :- جی نہیں، کون کم بخت کہتا ہے۔ اتنی تعلیم تو میرے خیال میں کافی ہے
عورتوں کے لئے۔ بلکہ بہت کافی ......

روشن :- تو پھر .....؟

احمد :- جی آپ مجھ سے پوچھتی ہیں ؟

روشن :- جی ہاں ... اور کیا میں پھوہڑ ہوں، دیوانی ہوں، منہ کا نوالہ ناک
میں دے لیتی ہوں .... یہ مانتی ہوں کہ مجھے ناز نخرے نہیں آتے ...

احمد :- اور وہ ایک شریف خاتون کو آنا بھی نہیں چاہئیں۔

روشن :- تو پھر ایسی بدصورت بھی نہیں کہ ....

احمد :- لاحول ولا قوۃ، آپ کو بدصورت کون کافر کہہ سکتا ہے۔ چہ چہ آپ
.... میرا مطلب ہے حسینوں میں گنی جاتی ہیں۔ یعنی حسین ہیں آپ، اور
وہ بدبخت سجاد اندھا ہے کہ ہیرے کو پرکھنے کے لئے آنکھیں نہیں ... اور
.... مگر یہ بتایئے مجھ میں کیا عیب ہے ؟

روشن :- عیب ! عیب تو کچھ نہیں۔

احمد :- پھر؟ کیا میری تنخواہ کسی بھی گزیٹڈ آفیسر سے کم ہے، کیا جائداد کافی نہیں؟ اور پھر سچ بتائیے کیا میں اتنا بدصورت ہوں کہ لوگ مجھ سے گھن کھائیں!

روشن :- نہیں تو......

احمد :- تو کیا میں لنگڑا ہوں، لولا ہوں، اپاہج ہوں...... اندھا....

روشن :- نہیں تو، خدا نہ کرے۔

احمد :- پھر بتائیے اس نے میری محبّت کو کیوں ٹھکرا دیا۔ اس نے میری پرستش کا یہ اجر کیوں دیا.... جتنا میں نے اسے چاہا وہ اور کھنچتی ہی گئی....

روشن :- پھر بھی آپ مرد ہیں، خود مختار.... مگر میں....

احمد :- اوہ۔ کاش میں مرد نہ ہوتا، اور خود مختار نہ ہوتا۔ میں محبّت کا بھوکا ہوں حکومت کا نہیں...... (جذباتی انداز میں) میں محبت کے سہارے ہی جی سکتا ہوں.... صوفیہ..... اوہ.... تم نے میری دنیا میں کتنا اندھیرا بھر دیا.... مجھے ٹھوکریں کھانے کے لئے...

روشن :- (اس کی حالتِ زار دیکھ کر) اوہ..... جب آپ کا یہ حال ہے.. ... تو.... میں.... آہ میں کس قدر بدنصیب ہوں۔

احمد :- میں.... مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔

روشن :- شکریہ!

احمد :- آج سے نہیں بلکہ اس دن سے جب میں نے پہلی مرتبہ آپ کو دیکھا تھا آپ کو دیکھتے ہی —— میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ آوارہ مزاج آپ کی قدر نہیں کر سکتا..... وہ ایک ایسا پروانہ ہے جو شمعِ حرم کو

چھوڑ کر چوراہے پر جلنے والے ہنڈوں کی طرف لپکنا چاہتا ہے... روشن ..... اوہ ..... معاف کیجئے گا مسز سجاد۔

روشن :۔ (رقت سے) نہیں۔ آپ مجھے روشن ہی کہئے۔ جب وہ میری صورت سے بیزار ہیں تو میرے منحوس نام کے ساتھ اپنا نام دینا کیوں گوارا کریں گے؟

احمد :۔ یہ آپ کیا کہتی ہیں ..... مجال ہے اس کی۔ میں آپ کو مسز سجاد ہی کہوں گا۔ دیکھوں تو ..... (کچھ سوچ کر) نہیں ..... نہیں میں اتنے پیارے نام کے اس منحوس بدمعاش کا نام لگانا انسانیت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ آپ روشن ہیں۔ جو خود روشن ہو اسے کسی سجاوٹ کی ضرورت نہیں۔

روشن :۔ نہ جانے کس بے رحم نے اس قدر اندھیری قسمت والی کا نام روشن رکھ دیا۔ ... آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔

احمد :۔ شکریہ! ہنہ۔ میں آپ سے کیا ہمدردی کر سکتا ہوں۔ ایک ٹھکرایا ہوا دل کسی کے کیا کام آ سکتا ہے۔ میرے لئے اب دنیا میں کیا رہ گیا ہے۔ سوائے موت کے ....

روشن :۔ ایں ..... مگر خودکشی ....

احمد :۔ خودکشی حرام ہے۔ یہی کہنا چاہتی تھیں آپ۔

روشن :۔ ہاں ..... اور .....

احمد :۔ اور کچھ نہیں۔ ابھی آپ نے مجھے ڈوب مرنے کی رائے دی تھی۔ واقعی مجھے ڈوب مرنا چاہئے۔ مجھ بے حیا کو دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔

روشن :- مگر آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

احمد :- مگر اس خالی زندگی کا بوجھل ڈھانچہ گھسیٹنے سے کیا حاصل . . . .

روشن :- اس قدر پست ہمت نہ ہونا چاہئے آپ کو۔

احمد :- جب دل ہی تباہ ہو جائے تو یہ زندہ لاش کیوں پڑی سڑتی رہے زندگی کوئی قرضہ تو نہیں کہ ادا ہی کیا جائے۔ (اٹھتا ہے)

روشن :- (ڈر کر) مگر . . . . سنئے تو . . . .

احمد :- فرمائیے۔

روشن :- آپ . . . . آپ کو . . . . نہیں آپ خودکشی نہ کیجئے . . . نہیں . . .

احمد :- (جاتے ہوئے) کیوں نہیں . . . . مریض کو پچھاڑ کر دوا تو پلائی جا سکتی ہے مگر اسے زبردستی جینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا . . . . . جانے دیجئے مجھے . . . . آپ کی بلا سے مروں یا جیوں . . . .

روشن :- نہیں . . . . آپ ایسا نہیں کر سکتے (آگے آ کر ہاتھ پھیلا کر روکتی ہے)

احمد :- مجھے کون روک سکتا ہے۔ (اس طرح آگے بڑھتا ہے کہ روشن کی آغوش میں آ جاتا ہے)

روشن :- میں . . . . میں روکوں گی آپ کو . . . .

احمد :- (رک کر اسے دیکھتا ہے) کیوں . . . . روشن . . . . مجھے کیوں زبردستی جلاتی ہو۔ جانے دو مجھے۔ مر جانے دو۔

روشن :- نہیں . . . یہ بھی کوئی بات ہے . . . میرا جی دہلا جاتا ہے۔

احمد :- میری اچھی روشن . . . . کیوں اپنا ننھا سا دل میرے لئے دکھاتی ہو مجھے

اپنی تقدیر سے الجھنے دو۔ (پھر زور لگاتا ہے)

روشن :۔ نہیں . . . . نہیں . . . . آپ کو خدا کا واسطہ میرا جی ہلا جاتا ہے۔ . . . . خدا کے واسطے میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں۔

احمد :۔ (حیرانی سے) روشن۔

روشن :۔ جی۔

احمد :۔ تم روک رہی ہو مجھے؟

روشن :۔ ہاں . . . . آپ . . . . .

احمد :۔ تم؟ . . . . روشن . . . . میں کیسے یقین کر لوں . . . . کہ . . . یہ میرے پراگندہ دماغ کا پیدا کیا ہوا ہیولا نہیں . . . بلکہ تم . . . تم خود ہو روشن . . . (بے اختیار) پھر . . . پھر تو میں نہیں مر سکتا . . . مجھے زندہ رہنا ہوگا . . . . آبِ حیات کی بارش میں بھیگ کر میں کوشش کروں تب بھی نہیں مر سکتا۔ روشن . . . . اوہ روشن (بے بس ہو کر اس کے کندھوں پر سہارا لیتا ہے۔ روشن ڈر کر اسے سنبھال لیتی ہے۔ صوفہ پر بٹھاتی ہے، اسے پکڑ لیتا ہے)

احمد :۔ نہیں۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ — نہ جاؤ روشن۔ تمہارے بغیر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں میں کچھ بھی نہ ڈھونڈھ سکوں گا۔ جب ایک اندھے کو سہارا دیا ہے تو اب اسے جھٹک کر نہ جاؤ۔

روشن :۔ (حواس معطل سے ہو جاتے ہیں) میں . . . . آپ لیٹ جائیے۔

احمد :۔ نہیں میں لیٹوں گا نہیں . . . . مجھے گراؤ مت (اور اس سے لپٹتا ہے۔

روشن ایسا منہ بناتی ہے جیسے میلا بچہ گود میں چڑھ آیا ہو) روشن —— اس ٹوٹے ہوئے دل پہ اور ٹھوکریں نہ مارو۔ آج سے نہیں روشن میری آنکھیں تو تمہیں پہلے ہی روز دیکھ کر خیرہ ہو گئی تھیں۔ بارہا چاہا کہ حالِ دل کہوں لیکن رعبِ حسن نے مفلوج کر دیا۔ روشنی . . . . . . نہیں کیسے بتاؤں کہ سجاد مردود کو تمہیں دکھ پہنچاتے دیکھ کر میرا کیا حال ہوتا تھا۔ جی چاہتا تھا نابنجار کو . . . . . .

روشن :۔ (پھوٹ کر رو دیتی ہے۔ جذبات سے بے قابو ہو جاتی ہے) اوہ . . . . میں نے کیا بگاڑا تھا ان کا!

احمد :۔ ہیں ہیں —— نہ رو . . . روشن . . . یہ آنکھیں رونے کے لئے نہیں۔ رلانے کے لئے بنائی گئی ہیں . . . میری جان . . . آؤ ہم ان تلخ آنسوؤں کو ایک ہی رومال سے خشک کر ڈالیں (اس کے آنسو جیب سے رومال نکال کر پونچھتا ہے۔ اور الفاظ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی آنکھوں پر بھی رومال پھیرتا ہے جہاں آنسو نہیں) آؤ۔ میری ننھی سی ملکہ۔ اس نے تمہاری محبت کو ٹھکرا دیا تو تم کیوں اس کی محبت میں . . . . .

روشن :۔ میں . . . مجھے بالکل محبت نہیں اتنے ذلیل انسان سے۔ میں ان عورتوں میں سے نہیں جو میاں کے پیر کی جوتی بننا فخر سمجھتی ہیں۔

احمد :۔ وہ عورت نہیں حیوان ہے جو اتنی بھی خوددار نہیں۔

روشن :۔ (جھلا کر) اگر وہ مجھ سے محبت نہیں کر سکتے تو . . . مجھے کیا غرض

جو میں ان کے لئے مرتی پھروں۔ اگر انہیں صوفیہ پسند ہے تو۔۔۔۔

احمد :۔ یقیناً۔۔۔۔ یقیناً۔۔۔۔ اگر سجاد کو اتنی کم ظرف چھچھوری عورت پسند ہے تو مجھے رتی بھر پروا نہیں۔ میں آج ہی اسے خط لکھے دیتا ہوں کہ میں نے طلاق دی بڑی خوشی سے۔

روشن :۔ (چہرہ بجھتا جاتا ہے) لائیے میں بھی سجاد کو لکھے دیتی ہوں کہ مجھے مہر وہر نہیں چاہیئے ——— مجھے فوراً طلاق دے دیں۔

(دونوں لکھنے کا سامان ڈھونڈتے ہیں)

سین تیسرا

(صوفیہ رات کا لباس پہنے ابھی تک بستر ہی پر پڑی ہے۔ سجاد قمیص اور پتلون پہنے اس کی طرف بیٹھے کچھ لکھ رہا ہے)

سجاد :۔ ارے بھئی (اٹھ کر اس کے پاس آتا ہے۔ سرہانے بیٹھ کر پیار سے جگاتا ہے) اٹھئے بیگم صاحب۔۔۔۔ (گردن میں گدگدی کرتا ہے) اٹھو بھی۔

صوفیہ :۔ اونہوں۔۔۔۔ کیا آفت ہے۔۔۔۔ سونے دو۔۔۔۔

سجاد :۔ اٹھو بھی۔ بے وقت سونے سے طبیعت خراب ہو جائے گی۔

صوفیہ :۔ کچھ نہیں ہو گی۔ اونہہ۔۔۔۔

سجاد :۔ ہاں۔۔ ہاں۔۔ سر میں درد ہو جائے گا۔

صوفیہ :۔ (آنکھیں کھول کر دیکھتی ہے۔ گویا اب پہچانی ہے) ایں!۔۔۔ ا۔۔۔ اٹھتی ہوں۔ سستی آ رہی ہے۔

سجاد :۔ صبح صبح سستی کیسی . . . .

صوفیہ :۔ ایں ؟ . . . . ہوں . . . . تم کب اٹھے ؟

سجاد :۔ دو گھنٹے سے جاگ رہا ہوں ۔

صوفیہ :۔ اچھا ! . . . . تم روز اتنے ہی صبح اٹھتے ہو ؟

سجاد :۔ اور کیا . . . . آج تو دیر ہو گئی ۔

صوفیہ :۔ . . . . جبھی . . . . تو مجھے بھی لکچر دینا شروع کر دیا . . . بیگم صاحبہ جگا دیتی ہوں گی روز ۔

سجاد :۔ اونہہ . . . . اٹھتی ہو کہ نہیں ——

صوفیہ :۔ نہیں اٹھتی . . . . . . بس ! ——

سجاد :۔ نہ اٹھو . . . . بھئی . . . . مجھے تو جلدی دفتر جانا پڑتا ہے ۔ گھر کا کارخانہ تو ہے نہیں کہ مُردوں کی طرح دس دس بجے تک سوتے رہیں ۔

صوفیہ :۔ ہنہہ ! . . . . ابھی شادی ہوئی نہیں اور . . . .

سجاد :۔ (ڈر کر خوش مزاجی سے) ارے کیا بکواس لگائی ہے . . . اٹھو بھی شام کو سینما جانا ہے ۔ تم کو کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے . . . مجھے دفتر چھوڑ کر چلی جانا . . . . اس لئے کہتا ہوں ساتھ چلی چلو ۔

صوفیہ :۔ اچھا . . . . (اٹھ کھڑی ہوتی ہے ۔ دو تین جمائیاں اور انگڑائیاں لیتی ہے پھر ہاتھوں سے پشت پر ایسے ٹٹولتی ہے جیسے کوئی چیز سنبھال رہی ہے ۔ چونک کر) ارے !

سجاد :۔ کیوں ؟

صوفیہ :- کچھ نہیں ۔۔۔۔ اُ ۔۔۔ ذرا وہ گمونا اٹھادو۔

سجاد :- (اٹھا کر) لو۔

صوفیہ :- (ہاتھ پھیلا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ سجاد سمجھ جاتا ہے اور گمونا پہنا دیتا ہے۔ صوفیہ ہنس کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیتی ہے)

سجاد :- (چڑ کر) ڈگڈگی کی کسر ہے۔

صوفیہ :- کیوں ؟

سجاد :- بندر سدھایا جا رہا ہے نا !

صوفیہ :- ہشت ۔ کتنے بد مذاق ہو ۔۔۔ ذرا سا گمونا پہنا دیا تو ۔۔۔ ہنہہ ۔۔

سجاد :- (پھر خوش مزاجی کی کوشش کر کے) چائے تو پیو۔

صوفیہ :- (پھر پلنگ پر بیٹھ کر) اوہ ۔۔۔ جبھی تو مجھے سستی آئے جا رہی ہے ــــ شکر ایک چمچہ ۔۔۔ دودھ کم ۔۔۔۔

سجاد :- میز پر چل کر چائے پیو۔

صوفیہ :- (مسکرا کر اٹھ بیٹھتی ہے) چلو ۔۔۔ سچ مچ ڈگڈگی منگانا پڑے گی۔ (ہلکے سے تھپڑ مار دیتی ہے)

(دونوں چائے پیتے ہیں)

صوفیہ :- کون کہتا ہے کہ ۔۔۔۔

سجاد :- کیا ؟

صوفیہ :- یہی کہ جب شادی ہوتی ہے تو وہ بالکل نئے انسان اپنے کو ایک دوسرے کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کتنا عجیب معلوم

ہوتا ہے (کچھ سوچتی ہوئی) نیا نیا . . . . جیسے آج ہی بیاہ ہوا ہو . . .
نئی زندگی . . . نئی عادتیں !

سجاد :- ہونہہ . . . . (ڈاک آتی ہے)

صوفیہ :- کس کا خط ہے ؟

سجاد :- دیکھتا ہوں . . . لو یہ تمہارا بھی ایک ہے . . . .

صوفیہ :- (خط کھولنے سے پہلے) کس کا خط ہے ؟

سجاد :- اس کا . . . اوں . . . اوں . . . . روشن کا . . .

صوفیہ :- اوہ . . . محبت ناموں کی بارش شروع ہو گئی -

سجاد :- اوہ (ہنستا ہے) تمہارا کس کا ہے ؟

صوفیہ :- جی یہ . . . بھئی واہ . . . خوب ملائی جوڑی ایک اندھا ایک کوڑھی . . . سچ کہتی ہوں -

سجاد :- (ذرا مُردہ آواز میں) چلو اچھا ہوا . . . روشن نے بھی یہی لکھا ہے مئی کے پہلے ہفتہ میں کشمیر جا رہے ہیں -

صوفیہ :- ہنی مون منانے ! (قہقہہ) بھئی واہ . . . . کیا لاجواب ٹمپیٹ ہے - احمد میرے ساتھ تو نینی تال تک نہ گئے - اور اب . . . .
(اسے پژمردہ دیکھ کر) ایں ! کیا رنج ہو رہا ہے ؟

سجاد :- ایں ؟ . . . . نہیں تو . . .

صوفیہ :- منہ تو اتر گیا خط پڑھتے ہی -

سجاد :- لاحول ولا قوۃ کس کا منہ اتر گیا -

صوفیہ :- آپ کا اور کس کا؟ یقین نہ آئے تو آئینہ سے پوچھ لیجئے۔ کیسی کھسیائی ہوئی شکل ہو رہی ہے . . . .

سجاد :- زبردستی یعنی . . . . تم اپنی کہو . . .

صوفیہ :- ہیں . . . . میں تو ہنس رہی ہوں . . . . ہا ہا ہا . . . .

سجاد :- ہنہ . . . ہنس رہی ہو . . . . کیا کھوکھلی ہنسی ہے . . . .

صوفیہ :- کھوکھلی . . . . ہنہ . . . .

سجاد :- اور کیا؟ سمجھتی ہو ان قہقہوں کے نیچے جو آنسو جھلک رہے ہیں۔ انہیں چھپا لو گی . . . . ہونہہ عورت . . . . جل گئیں . . . .

صوفیہ :- ہونہہ . . . جل رہے ہو خود اور الزام میرے سر . . . . ایسا ہی ہے تو کس نے کہا تھا کہ چھوڑ دو چہیتی بیگم کو . . . . .

سجاد :- جانے دو . . . . میں کہتا ہوں چھوڑو اس قصے کو . . . .

صوفیہ :- کیوں چھوڑو اس قصے کو . . . . ایسا ہی ہے تو جاؤ بیگم کے پیر پکڑ لو . . . . اب بھی وقت ہے، معاف کر دیں گی . . . .

سجاد :- جانے دو، جو ہونا تھا ہو گیا قسمت میں۔

صوفیہ :- تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں نے ہی تمہاری قسمت پھوڑ دی۔

سجاد :- تم نے کیوں پھوڑ دی۔ میں نے خود ہی پتھر پر سر دے مارا اور کیا۔

صوفیہ :- تو میں پتھر ہوئی نا۔ میں نے ہی تمہارا گھر اجاڑا۔

سجاد :- تمہیں کون بے وقوف کہہ رہا ہے . . . اگر میں اتنا ذلیل نہ ہوتا۔

صوفیہ :- (غصہ سے بے قابو ہو کر) اور تم . . . . تم تو فرشتہ بن کر چھوٹ

جاؤ گے ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے تو جیسے کچھ نہیں کیا۔

سجاد :- کیا کیوں نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انتہائی درجہ کا کمینہ پن۔ اپنے دوست کے پر سکون گھر میں سیندھ لگائی۔ (ہکلا جاتا ہے) اور ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- بڑے بھگت بن رہے ہو۔ یہ اس وقت نہ سوچا جب مجھے بہکا کر ۔ ۔ ۔

سجاد :- ہیں ۔ ۔ ۔ میں تمہیں بہکاتا ۔ ۔ ۔ صوفیہ! مجھ سے یہ باتیں کر رہی ہو ۔ ۔ ۔ بھلا اگر تم مجھے شہ نہ دیتیں تو ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- کمینے ہو حد درجے کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پہلے تو شیطان بن کر بہکایا۔ اور ۔ ۔

سجاد :- خیر ۔ ۔ ۔ میں نے تو بہکایا۔ مگر تم اتنی بچہ تھیں کہ جان بوجھ کر بہک گئیں ۔ ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- جان بوجھ کر ۔ ۔ ۔ ۔ اوہ ۔ ۔ ۔ سجاد مجھے تم سے اس دغا بازی کی امید نہ تھی ۔ ۔ ۔ ۔

سجاد :- یوں تو ۔ ۔ ۔ مجھے کب امید تھی کہ تم میرے عزیز دوست کی بیوی ۔ ۔ ۔ خود شریف اور میرے ساتھ بھاگ نکلو گی۔ تم جیسی عورتیں تو ۔ ۔ ۔ میں نہ ہوتا کوئی اور ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- ہوں ۔ ۔ ۔ اور وہ جناب کی روشن ۔ ۔ ۔

سجاد :- اس کا نام کیوں لیتی ہو ۔ ۔ ۔ وہ غریب تو! ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- کیوں نہیں ۔ ۔ ۔ وہ تو بڑی غریب ہیں۔ میرے ہی گھر میں میرے ہی میاں سے عشق لڑا رہی ہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور پارسائی کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

سجاد :- ایں !

صوفیہ :- ہاں اور وہ وفا کی پتلی، گھر کی رانی . . . . آج ساری قلعی کھل گئی۔
وہ تو نہ جانے ان دونوں کی کب سے ساز باز ہو رہی تھی !

سجاد :- کیا ؟ جھوٹ بولتی ہو تم . . . . احمد . . .

صوفیہ :- کیوں ؟ اس میں جھوٹ کیا ہے۔ جب تم میرے پاس آکر محبت کے
راگ گایا کرتے تھے تو اگر احمد نے بھی تمہاری بیوی سے ذرا پینگ بڑھا
لئے تو کون سا جرم ہو گیا۔

سجاد :- اوہ . . . . یہ کیا قصہ ہے . . . مگر۔ روشن . . . . روشن! وہ، وہ
ایسی نہیں ہو سکتی . . . اور احمد پر چند ایں نے کبھی شبہ بھی نہ کیا۔

صوفیہ :- شبہ کیوں کرتے . . . تم تو انہیں بدھو سمجھتے تھے۔ وہ بھی تو تمہیں بڑا
شریف سمجھتے تھے۔

سجاد :- تم ہی کہتی تھیں . . . میں کیا جانوں بھئی !

صوفیہ :- میں . . . میں کہتی تھی . . . تو . . . تو . . . خیر چھوڑو اس قصے کو۔
مجھے تو تعجب ہو رہا ہے ان کی باتوں پہ . . . . ہنہہ . . . . کہتے تھے
تمہارے بغیر اندھیری ہو جائے گی دنیا۔ اور اب کیا کھٹاک سے بٹن
دبایا تو روشنی ہی روشنی . . . . جھوٹے دغا باز یہ مرد . . . .

سجاد :- اور یہ عورتیں کون سی ذات شریف ہیں . . . کہتی تھیں زہر کھا لوں گی
. . . . ہنہہ جیسے واقعی مر ہی تو جائے گی . . . . . . ایسا کلیجہ پھاڑ
کر روئی کہ . . . .

صوفیہ :- (خود سے) کوئی نہیں مرتا کسی کے لئے ۔ ۔ ۔ سب ڈھکوسلے ہیں۔

سجاد :- اتنا تو پوچھے کوئی کہ کہاں گئے وہ سارے آپ کے دعوے۔ یہی تھی محبت آپ کی ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- یہ کیوں نہیں کہتے کہ منانے جا رہے ہیں۔

سجاد :- کون کم بخت منانے جا رہا ہے۔ جب وہ اپنی خوشی سے دوسرے کی ہوگئی ۔ ۔ ۔ تو اب میری حمیّت کیسے گوارا کر سکتی ہے ۔ ۔ ۔ کہ جب محبت ہی نہ رہی تو ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- جائیے جا کر پیر پکڑ لیجئے ۔ ۔ ۔ ہو جائے گی محبّت ۔ ۔ ۔

سجاد :- چپ رہو صوفیہ ۔ ۔ ۔ جلے کو اور تاؤ چڑھا رہی ہو ۔ ۔ تم عورت نہیں ڈائن ہو ۔ ۔ تباہ کر کے رکھ دیا تم نے میرے گھر کو —— اور پھر ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- چپ رہو کمینے ۔ ۔ ۔

سجاد :- میرا نہیں روشن کا نہیں ۔ ۔ ۔ تم نے ہماری بچی کا تو خیال کیا ہوتا کہ ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- اوہو ہو ۔ ۔ ۔ بڑا بچی کا خیال تک نہ آیا ۔ ۔ ۔

سجاد :- یہ تم نے میری آنکھوں پر پردے ڈال رکھے تھے ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔ شریف ماں کی کوکھ سے بھی بیسوا کا کلیجہ لے کر نکلی ہو ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔ کیا جانو ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- نکل جاؤ ۔ ۔ ۔ جاؤ ۔ ۔ ۔ یہاں سے کمینے ۔ ۔ ۔ کہیں کے ۔ ۔ ۔

سجاد :- جا رہا ہوں ۔ ۔ ۔ اور اتنا کہے جاتا ہوں کہ تم ۔ ۔ ۔

صوفیہ :- چپ رہو۔ ۔ ۔ (چلا جاتا ہے۔ صوفیہ زور سے آہ بھر کر رونے لگتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔) اوہ۔ ۔ ۔ یہ۔ ۔ ۔ ۔ یہ کیا کیا میں نے۔ ۔ ۔ یہ میں نے کیا کیا۔ ۔ ۔ اوہ۔ ۔ ۔ اُف مکّار۔ ۔ ۔

(زور زور سے سسکیاں لے کر روتی ہے۔ اور دونوں ہاتھ ملتی ہے)

سین چوتھا

(احمد پلنگ پر اوندھا سو رہا ہے۔ روشن ایک گلاس میں پانی لئے آتی ہے۔ ۔ ۔ چاء کی میز کے اوپر سے ایک چمچہ نمک لے کر پانی میں گھولتی ہے اور احمد کو اٹھاتی ہے۔ زور زور سے اس کے بال جھنجوڑتی ہے)

روشن :- اٹھئے۔ ۔ ۔ سو چکے۔ ۔ ۔ اٹھئے۔ ۔ ۔ ۔

احمد :- بدحواس ہو کر آنکھیں کھولتا ہے اور بال اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیتا ہے۔ اوہ۔ ۔ ۔ ۔ توبہ۔ ۔ ۔ میں نے کہا یہ کیا قصہ ہے۔ ۔ ۔ (پھر اونگھنے لگتا ہے) یہ کیا بھونڈا طریقہ ہے جگانے کا۔

روشن :- (ہاتھ پکڑ کر اٹھاتی ہے۔ احمد بیٹھ جاتا ہے) لیجئے۔ ۔ ۔ ۔

(بند آنکھیں احمد گلاس میں چاء کی پیالی کا کنڈا پکڑنے کی کوشش کرتا ہے)

روشن :- (اسے اندھوں کی طرح ٹٹولتا دیکھ کر) ارے لیجئے نا (اسے گلاس پکڑا دیتی ہے)

احمد :- (ایک گھونٹ لے کر چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے۔ دوسرا گھونٹ لیتا ہے) اوں ہوں ہوں . . . . (منہ میں کلّی لئے حیرت سے کبھی گلاس کو اور کبھی روشن کو دیکھتا ہے۔ قوں قوں کر کے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے) اے . . . . اے قوں . . .

روشن :- کیا ہے؟

احمد :- (ہاتھ کے اشارے سے پوچھتا ہے) کیا ہے؟ قوں!! قوں!!

روشن :- اے ہے غرارہ نہ کیجئے گا؟

احمد :- (تھوک کر) غرارہ . . . ارے . . . یہ . . . کیوں . . . خواہ مخواہ بھی . . . .

روشن :- اس . . . حلق اچھا رہتا ہے۔

احمد :- حلق؟؟ کس کا حلق؟

روشن :- آپ صبح نمک کا غرارہ نہیں کرتے!

احمد :- لاحول ولا قوۃ . . . کیوں کروں؟

روشن :- تو . . . تو . . . (رنجیدہ ہو کر) لائیے میں چار دوں آپ کو۔

احمد :- اوہ . . . کوئی بات نہیں . . . میں کئے لیتا ہوں غرارہ (جلدی سے غرارہ شروع کر دیتا ہے) ہا . . . خ . . . تھو . . . ہاخ . . .

روشن :- (ہاتھ سے گلاس لے کر) نہیں . . . کیا ضرورت ہے۔ لیجئے چائے . . .

احمد :- (گھونٹ لے کر) ذرا . . .

روشن :- شکر! . . . لیجئے . . . .

احمد :- بس . . . بس . . . اوہ جھونک دی تم نے تو ایک دم . . .
ہیں ہیں ہیں . . . .

روشن :- توس پر جیلی لگا دوں - . . .

احمد :- ایں ! صبح صبح ، جیلی کون گدھا کھاتا ہوگا . . . (اس کے چہرے کا رنگ دیکھ کر) اوہ . . . خیر لگا دو . . . . نہیں لگا ہی دو . . . مزے دار ہوتی ہے -

روشن :- لیجئے (کانٹے میں توس چبھو کر کُھپا سا بنا کر دیتی ہے ، احمد کی سمجھ میں نہیں آتا - وہ چٹکی میں پکڑنا چاہتا ہے مگر روشن کانٹے کا دستہ دینا چاہتی ہے - آخر کو بچوں کی طرح ہاتھ میں کانٹا پکڑا دیتی ہے جس کے سرے پر توس لگا ہوا ہے)

احمد :- (پنکھے کی طرح توس کو جھلتا ہے اور ہنستا ہے) خوب . . بھئی واہ ! اچھی ترکیب ہے یہ تو . . . . .

روشن :- (بُرا مانتی ہے اور توس چھین کر رکابی میں رکھ کر پاس رکھ دیتی ہے) یہ لیجئے -

احمد :- اوہ . . . ہیں ہیں . . . کوئی بات نہیں . . . (تھوڑی دیر بعد) روشن میرا مطلب ہے روشنی . . . .

روشن :- جی -

احمد :- کچھ نہیں - (تھوڑی دیر کچھ کہنا چاہتا ہے - نہیں کہتا - پھر) یہ . . تم بُرا مت ماننا . . . میں آہستہ آہستہ سب سیکھ جاؤں گا -

روشن :- کیا ؟
احمد :- یہی . . . یہ کہ . . یہی اب دیکھو کہ . . . . یہ بات ہے کہ
. . . تم جانتی ہو . . . میرا مطلب ہے کہ . . . عادت ہوتی
ہے . . . .
روشن :- (اسے گھبرایا دیکھ کر مسکراتی ہے) کیا ؟
احمد :- یہی ــــ کہ اب جیسے تم ہو . . . نہیں . . . اب جیسے میں ہوں -
اب اسی کو لو . . . جیسے کسی کو جگانا ہو تو . . . بعض لوگ تو ہولے
سے شانہ ہلا دیا کہ . . . بھئی اٹھو . . . اور بعض . . .
روشن :- کیا کہہ رہے ہیں جانے آپ -
احمد :- ہیں ہیں ہیں . . . کچھ بھی نہیں . . . بھئی یہ تو تم جانتی ہو کہ گھر
میں بیویاں مختلف طریقوں سے میاؤں کو جگاتی ہیں -
روشن :- جگاتی ہیں ؟
احمد :- ہاں سوتے سے جگاتی ہیں نا . . . بس وہی . . . تو بعض بیویاں
تو . . . "اے جی اٹھو . . . کب تک سوتے رہو گے" یوں
جگاتی ہیں - اور بعض "اٹھو ڈارلنگ . . . اٹھو نا . . . اٹھو . . ."
اور بعض . . . ہیں ہیں - سچ پوچھو تو شادی بھی ایک . . . عادت
. . . (ہنستا ہے) ہی ہے . . . جو کچھ دن بعد . . . انسان کا
ایک جزو بن جاتی ہے . . . اور بعض اٹھتے ہی گرم پانی کا غرارہ
ضروری سمجھتی ہیں -

روشن :- آپ . . . یہ . . .

احمد :- نہیں . . . میں تمہیں نہیں کہتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ بعض . . . خیر
چھوڑو . . . دراصل تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ (لے سے) یہ زندگی
ہے . . . یا مسلسل خواب جہاں میرے خیالوں کی رانی سورج کی
کرنوں کے ہنڈولے میں . . .

روشن :- اور لیں گے توس ؟

احمد :- ایں . . . ہاں آں . . . تو . . . وہ کیا کہہ رہا تھا میں ؟ . .
روشن . . . تم . . . تم کتنی حسین ہو !

روشن :- ہٹئے . . . یہ پنیر . . .

احمد :- چاند کی روشنی میں تمہاری گردن دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے . . .

روشن :- (ہنستی ہے) پھر بہکنے لگے . . . اب اس وقت تو چاند ہے نہیں جو . . .

احمد :- نہیں۔ اس وقت تو چاند نہیں پر . . . میں کل کا ذکر کر رہا ہوں۔
جب تم سبزے پر محوِ خرام تھیں تو میں کرسی پر بیٹھا تمہاری ہر لچک کو
اپنے سینے میں جذب کر رہا تھا۔

روشن :- ارے ارے . . . دیکھئے چاہ گر گئی آپ کے گریبان پر . . . .

احمد :- رہنے دو . . . . اسے تولیہ سے جذب کر دو . . . میں کیا کہا۔
ہاں تو روشن کل رات کتنی پُر اسرار تھی . . . جب میرے سانس
تمہاری سانسوں کے ساتھ گھل مل کر . . . .

روشن :- سنئے۔ آپ دفتر کھانا کھا کر جائیں گے یا نوکر کھانا لے کر جائے گا ؟

احمد :- اوہ . . . . چولہے میں ڈالو اس کھانے کو . . . تم . . . روشن
. . . ادھر آؤ . . .

روشن :- کیا ہے ؟

احمد :- یہاں آؤ میرے پاس . . . بالکل پاس . . . یہاں بیٹھ جاؤ . . .
روشن اور قریب . . . . یہاں تک کہ ہمارے درمیان بال برابر بھی
فاصلہ نہ رہے۔

روشن :- یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو . . . . .

احمد :- مجھے . . . مجھے کچھ بھی نہیں ہوا . . . کچھ بھی تو نہیں ہوا۔

روشن :- تو پھر ہٹئے - میں ذرا . . .

احمد :- نہیں . . . نہیں مت جاؤ . . . میں نہیں چاہتا کہ - کہ تم بھی
اس کی طرح مجھ سے دور ہو جاؤ . . .

روشن :- کس کی طرح ؟

احمد :- صوفیہ کی طرح . . . معاف کر دو روشن ، مگر میں . . . تمہیں
کھونا نہیں چاہتا۔

روشن :- کھونے کا اب کہاں سوال اٹھتا ہے . . . جب میں آپ کی ہو
جاؤں گی تو . . . . .

احمد :- نہیں . . . میں جانتا ہوں کہ تم ان گھریلو بکھیڑوں میں پڑ کر مجھے
بھول جاؤ گی - ایک گھر میں رہ کر بھی ہم برسوں ایک دوسرے کو نہ دیکھ
سکیں گے - ہر دم ساتھ رہ کر بھی تنہا ہی رہیں گے - تم ہانڈی چولہے کی

بابت سوچتی رہو گی اور میں کارخانے کی بابت پھر۔ ۔ ۔ پھر ایک دن ایسا ہی بھٹکتا ہوا کوئی سجاد تمہارے پاس آ کر تمہیں پھر نئے سرے سے عشق ۔ ۔ ۔ ۔

روشن :- یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

احمد :- میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل سچ ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں ہی کیوں نہ تمہیں اسی طرح چاہتا رہوں۔۔ آؤ ۔ ۔ ۔

روشن :- ہٹئے۔ آپ تو دیوانے ہیں۔

احمد :- ہاں پیاری تمہارا دیوانہ ۔ ۔ ۔

روشن :- کیا بک رہے ہیں (ہنستی ہے) بھلا ایسی بھی کوئی باتیں کرتا ہے۔

احمد :- کیوں نہیں کرتا ۔ ۔ ۔ میاں بیوی نہیں کرتے مگر عاشق و معشوق ۔ ۔ ۔

روشن :- توبہ ۔ ۔ ۔

احمد :- تو میں چاہتا ہوں کہ ہم تم اسی طرح عاشق و ۔ ۔ ۔ (دستک ہوتی ہے) اوہ ۔ ۔ ۔ (الگ ہٹ کر دونوں بیٹھ جاتے ہیں) آجاؤ ۔ ۔ ۔ کون ہے ۔ ۔ ۔ ؟

احمد :- (سجاد آتا ہے) اوہ ۔ ۔ تم! ۔ ۔ ۔

روشن :- تم! سجاد!!

سجاد :- جی ۔ ۔ ۔ یہ خاک سار ۔ ۔ ۔ آپ کے عیش میں خلل انداز ہونے کا ۔ ۔ ۔

احمد :- تم ۔ ۔ ۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟

سجاد :۔ تم سے کچھ نہیں، ہاں روشن سے۔
احمد :۔ کیا روشن سے؟ کچھ نہیں!
سجاد :۔ میں روشن سے اتنا پوچھنے آیا ہوں کہ۔ ۔ ۔ گو مجھے حق تو نہیں ۔ ۔ ۔
احمد :۔ ہاں ہاں کہو۔ ۔ ۔ ۔
سجاد :۔ کیونکہ اب وہ میری ۔ ۔ ۔ ۔
احمد :۔ ہاں ہاں کیونکہ اب وہ تمہاری نہیں اور بہت جلد کسی دوسرے کی ہونے والی ہیں۔
سجاد :۔ ایں! ۔ ۔ ۔
احمد :۔ اور تم مبارک باد دینے آئے ہو ــــ بڑے خوش نصیب ہو ۔ ۔ ۔ بیوی کی شادی پر مبارک باد۔ خوب!
سجاد :۔ چپ رہو احمد ۔ ۔ ۔ میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو روشن سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ ۔ ۔ ۔ ۔
روشن :۔ آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں ۔ ۔ ۔ منہ ہے آپ کا کچھ پوچھنے کا ۔ ۔ ۔ ۔
سجاد :۔ منہ تو نہیں ۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔ روشن ۔ ۔ ۔
روشن :۔ (غصہ سے روہانسی ہو کر) تو ۔ ۔ ۔ تو جائیے مہربانی کر کے ۔ ۔ ۔
سجاد :۔ جا رہا ہوں ۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔ اتنا کہوں گا کہ جس فعل پر صوفیہ کو گالیاں دے رہی تھیں، اب خود اس سے بڑھ کر بے حیائی اور ۔ ۔ ۔
احمد :۔ جاؤ ۔ ۔ ۔ جاؤ ۔ ۔ ۔ چلے جاؤ سجاد ورنہ ایسا نہ ہو کہ ۔ ۔ ۔ میں

. . . میں اپنے ہوش میں نہ رہوں ـــــ اور . . .

سجاد :- اور تم میرا کام تمام کر دو . . . . اچھا ہے احمد . . . میں اسی قابل ہوں - مگر روشن . . . .

احمد :- تو پھر جاؤ . . . . اور روشن سے بات کرنے کی کوشش نہ کرو -

سجاد :- تمہیں یہ حکم صادر کرنے کا کوئی حق نہیں - روشن قانوناً اب بھی میری ہے . . . . . .

احمد :- کیا بکتے ہو . . . بھاگ جاؤ یہاں سے . . . کچھ قانون نہیں چلے گا یہاں . . . سجاد اپنے الفاظ یاد کرو جو تم نے صوفیہ کو مجھ سے چھینتے وقت کہے تھے کہ اگر ایک عورت اپنی خوشی سے اپنے شوہر پر کسی کو ترجیح دیتی ہے تو کسی کو حق نہیں کہ . . . .

سجاد :- ہاں ، مگر . . . .

احمد :- ہاں . . . مگر جب تمہاری بیوی تمہیں چھوڑ کر مجھے پسند کرتی ہے تو تمہارے مقولے بدل جایا کرتے ہیں - دھوکے باز . . چلے جاؤ . . .

سجاد :- ہیں . . . جا رہا ہوں . . . .

احمد :- تو جاؤ . . . جاؤ . . . کیوں مجھے دوبارہ چھیڑنے آ گئے - پہلے تم میرے کلیجہ میں ہاتھ ڈال کر بے رحمی سے اسے نوچ لے گئے - اور اب پھر جب روشن جسے تم ٹھکرا چکے ہو . . . میرے زخموں کا مرہم بن گئی تو پھر تم اس چنچل بچے کی طرح مچل کر اسے چھیننے آئے ہو جو اپنی چیز پھینک کر ہمیشہ دوسرے کی چیز کی طرف لپکتا ہے -

سجاد :- میں کچھ چھیننے نہیں آیا اور نہ تمہارے زخم دکھانے آیا ہوں۔ میں تو صرف تمہارے اس مرہم سے اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ . . . میں قصوروار ہوں پر اکیلا نہیں صوفیہ بھی . . . .

احمد :- (گرج کر) خبردار جو تو نے اپنی ناپاک زبان سے اس کا نام لیا۔ وہ بدنصیب تیرے فریب میں آگئی . . . تیرے بہکانے سے ایک معصوم عورت . . .

روشن :- مگر . . . احمد . . . صوفیہ اتنی معصوم تو نہیں . . . .

احمد :- (کچھ نہ سن کر) تم نے ہمارے بنے بنائے گھر کو اپنے بازاری عشق اور گندی زبان کے جادو سے ڈھا دیا۔ . . . تم نے اس کے معصوم دل میں میرے خلاف نفرت کا بیج بو کر اس کی زندگی میں کانٹے بچھا دیئے۔ . . . اور مجھے تباہ کر دیا . . . وہ غریب . . .

روشن :- ہنہہ . . . کیا کہنے اس معصومیت کے . . . .

احمد :- رہنے دو روشن . . . تم بیچ میں نہ بولو . . . تم اسے نہیں جانتیں۔ مگر میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں . . . آج سے نہیں اس وقت سے جب اسکول میں . . . .

سجاد :- کیوں جھوٹ بولتے ہو احمد خدا سے ڈرو . . . . اچھا قسم کھاؤ کہ وہ کتے کا پلہ میں نے اکیلے نے ڈیسک میں بند کیا تھا؟

احمد :- (چیخ کر) میں اس کتے کے پلے کا ذکر نہیں کر رہا ہوں بلکہ . . (زور سے چیخنے سے اچھو لگ جاتا ہے)

سجاد :- ارے بھئی وہ . . . . وہ تو شاید تم ان پنسلوں کا ذکر کر رہے ہو۔

. . . . بھئی چاہے کیسی قسم لے لو . . . . بھئی روشن منّی کی قسم جو میں نے . . . .

روشن :- خبردار جو تم نے منّی کا نام لیا . . . واہ بڑے آئے . . .

سجاد :- تو ہے اور کون میرا سوائے منّی کے . . . اور پھر . . . .

احمد :- (لکھاتے ہیں کچی ہوئی آواز میں) بے ایمان . . . اور

روشن :- رہنے دو یہ مکاریاں . . . میں جیسے سمجھتی نہیں تمہاری چالیں . . .

سجاد :- (ٹھنڈا سانس بھر کر) میں تمہیں جھٹلاتا تو نہیں . . . تمہیں حق ہے جو چاہو کہو . . .

احمد :- تم . . . . تم چاہتے ہو کہ . . . .

روشن :- (اس کے بگڑے ہوئے لفظوں پر مسکراتی ہے)

احمد :- کہ . . . مجھ سے اب روشن کو بھی چھین لے جاؤ . . . تو یہ نہیں ہو سکتا . . . روشن میری زندگی کو تاریک بنا کر اب تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی . . . وہ میری ہے ۔

سجاد :- شرم کرو احمد . . . دوست کی بیوی . . .

احمد :- اور . . . تم . . . تم جو کل ہی دوست کی بیوی کو شیطان بن کر بہکا لے گئے . . . تو کچھ نہیں . . .

روشن :- مگر . . . معاف کرنا احمد . . . تمہاری صوفیہ اتنی بھی بھولی نہیں کہ . . .

احمد :- ہیں ! یہاں بھولی کا کیا سوال ہے ۔

روشن :- اور کیا ۔ ۔ ۔ ایسی ننھی کنواری بھی نہیں تھیں کہ ورغلانے میں آگئیں ۔ ۔

احمد :- ہیں ۔ ۔ ۔ ؟ روشن ۔ ۔ ۔ یہ تم بھی اب ۔ ۔ ۔

روشن :- اور کیا ۔ ۔ ۔ جیسے میں جانتی نہیں انہیں ۔ ۔ ۔ سجاد کا کیا ہے۔
وہ تو خیر ہیں ہی آوارہ ۔ ۔ ۔

سجاد :- کیوں طوفان جوڑتی ہے ظالم ! (پیار سے)

روشن :- اور کیا تم تو ہمیشہ کے ایسے ہی ہو ۔ ۔ ۔ تھالی کے بینگن جس کا جی
چاہے اٹھک بیٹھک کرا لے ۔ ۔ ۔ تو پھر صوفیہ تو ایک چھٹی
ہوئی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

احمد :- کیا بکواس ہے یہ ۔ ۔ ۔ سجاد ۔ ۔ ۔

روشن :- بس رہنے دیجئے ۔ ۔ ۔ ہر مرد سے مذاق کرتی ہیں وہ تو ۔ ۔ ۔

احمد :- تم ۔ ۔ ۔ تم مت بولو جی ۔ ۔ ۔

روشن :- کیوں نہیں ابھی تم خود بنا رہے تھے ۔ ۔ ۔ اور انور، محمود اور
لفٹننٹ قیصر کی بیویوں سے پوچھ لو ۔ ۔ ۔ کون نہیں جانتا ۔ ۔ ۔
یہی نہیں میں نے سنا ہے شادی سے پہلے تو ۔ ۔ سنا ہے ۔ ۔

احمد :- کیا ؟ ۔ ۔ ۔ کیا سنا ہے ۔ ۔ ۔ بالکل جھوٹ ۔ ۔ ۔ قطعی بہتان ۔ ۔

روشن :- آپ مجھے نہیں جھٹلا سکتے ۔ ۔ ۔

احمد :- مگر ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔ یوں تو ۔ ۔ ۔ معاف کرنا روشن ۔ تم
خود ہی معاف کرنا ابھی مجھے خود عشق ۔ ۔ ۔

روشن :- ہوش میں ۔ ۔ ۔ بے ہودہ کہیں کے ۔ ۔ ۔

سجاد :- حد ہو گئی احمد اب تو . . . .

احمد :- بس بس تمہارا کوئی پیچ نہیں . . .

سجاد :- چہ خوش . . . آپ چاہیں کہ روشن کو ذلیل کر لیں تو یہ میری زندگی میں تو ممکن نہیں . . . .

احمد :- یہ . . . یہ تم دونوں میاں بیوی میرے خلاف سازش کر کے کوئی خوف ناک پلاٹ بنا کر لائے ہو . . . پہلے تو میاں نے میرے آباد گھر میں تباہی ڈال دی . . . اور پھر بیگم صاحبہ آگ لگانے آن پہنچی . . . .

روشن :- یہ . . . یہ دیکھ رہے ہو سجاد . . . شرم نہیں آتی تمہیں کہ اسے بڑا اپنا دوست سمجھتے ہو، آوارہ کہیں کا . . .

احمد :- اور . . . تم . . . دونوں . . . (کھانسنے جاتا ہے)

سجاد :- مجھے تم جو چاہو کہہ لو . . . مگر روشن . . . .

احمد :- اجی دیکھ لیا آپ کی روشن کو بھی . . . .

روشن :- یہ . . . یہ کم بخت ابھی مجھ سے اس قدر فحش قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ حد نہیں . . . میں تو صوفیہ سے کہنے آئی تھی کہ . . .

احمد :- ہوں . . . صوفیہ سے کہنے آئی تھیں . . . تو جب دیکھ لیا تھا کہ وہ نہیں ہے تو چلی گئی ہوتیں . . . کہ . . .

روشن :- سراسر جھوٹ . . . میں جا رہی تھی . . . مگر یہ ایک مکار ہے۔ وہ باتوں کا جال پھیلایا ہے کہ . . . ایسی فحش باتیں کہ میرے تو منہ

سے بھی نہیں نکلتیں . . .

احمد :- میں نے جال پھیلایا کہ تم ہی ٹسوے بہا کر مجھے پھانسنے لگیں۔

سجاد :- احمد . . . زبان سنبھال کر . . . شریف عورتوں سے بات کرنے کے لائق نہیں۔ (صوفیہ جو شاید دروازے پہ کھڑی سب سن رہی تھی، آتی ہے۔ سب بُری طرح گھبراتے ہیں۔ روشن کے تو ہوش اڑ جاتے ہیں)

صوفیہ :- اوہنوں! عاشق و معشوق میں بڑے راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں۔

احمد :- اوہ تم صوفیہ . . . تم . . . کیوں . . .

صوفیہ :- جی ہاں میں . . . دولہا میاں کو مبارکباد دینے چلی آئی . . . اوہو آپ بھی ہیں . . . پورا میدان جمع ہے . . . لیلیٰ بھی ہے (روشن کی طرف ڈرامائی انداز میں) . . . مجنوں بھی اور (سجاد کی طرف) آپ آپ کون ہوئے . . . ٹھیک . . . آپ ہوئے رقیب . . . اور . . . (صوفہ پہ لیٹ جاتی ہے)

احمد :- لاحول ولا قوۃ!

صوفیہ :- (زور زور سے قہقہے لگاتی ہے۔ روشن بدحواس ہو کر چاروں طرف دیکھتی ہے۔ رک کر) اوہ . . . معاف کیجئے گا . . . نئی بیگم صاحبہ میں بغیر اجازت آپ کے صوفے پہ بیٹھ گئی . . . .

روشن :- زبان سنبھال کر بات کرو . . . بدتمیز کہیں کی . . .

صوفیہ :- اوہ . . . بس تمیزدار تو آپ ہیں . . . کیا کہنے ہیں میرے ہی

گھر میں میرے شوہر سے عشق فرمایا جا رہا ہے ۔ ۔ ۔ یہی ہے شرافت
تو ۔ ۔ ۔ ۔
صوفیہ :- اب ۔ ۔ ۔ یہ بے بات میرے منہ لگ رہی ہیں ۔ ۔
احمد :- صوفیہ ۔ ۔ ۔
صوفیہ :- فرمائیے ۔ ۔ ۔ معاف کیجیے گا ۔ ۔ ۔ میں نے آپ کی محبوبہ کو
کچھ کہا ۔ ۔ ۔ بُرا لگا؟
احمد :- چہ ۔ ۔ ۔ چہ ۔ ۔ ۔ بخدا کیا عورت ہے !
صوفیہ :- ناگوار گزرا آپ کو ۔ ۔ ۔
احمد :- بھئی میں پاگل ہو جاؤں گا ۔ ۔ ۔ توبہ ۔ ۔ ۔ ہے ۔ ۔ ۔
صوفیہ :- افوہ ۔ ۔ ۔ ابھی سے دشت پیمائی شروع کر دی ۔ ۔ ابھی تو ۔ ۔
سجاد :- صوفیہ ۔ ۔ ۔ بات ختم کرو ۔ ۔ ۔
صوفیہ :- جی کیا فرمایا ۔ ۔ ۔ آپ یعنی آپ کون ۔ ۔ ۔ اوہ بھولی ۔ ۔ ۔
عاشق صادق ۔ ۔ ۔ نہیں ۔ ۔ ۔ میرا مطلب ہے عاشق سابق ۔ ۔ ۔
اہاہاہا ۔ ۔ ۔ ۔
سجاد :- (اس سے پہلے کہ وہ طعنہ دے) صوفیہ ۔ ۔ ۔
صوفیہ :- یہ آپ مجھے گھرکیاں کیوں دے رہے ہیں ۔ ۔ جانتے ہیں یہ گھر
کس کا ہے ؟ ۔ ۔ ۔ ابھی تک تو میرا ہے ۔ آگے اگر آپ کی بیگم
صاحبہ کی کوشش بار آور ہو گئیں تو ۔ ۔ ۔
روشن :- دیکھ رہے ہو ۔ ۔ ۔ برابر ذلیل کئے جا رہی ہیں ۔ ۔ میاں اوّل نمبر کا

بدمعاش (صوفیہ سے) میں تو تم سے بات کرنے آئی۔ اور لے بیٹھا
اپنی لغویات . . . .

صوفیہ :- کون؟ . . . یہ احمد . . . چہ . . . . . .

روشن :- ہاں . . . اور . . .

صوفیہ :- ٹھہرو . . . تمہیں انھوں نے "خوابوں کی ملکہ" کہا . . یا رانی یا . .

روشن :- ہاں آں، . .

صوفیہ :- اور . . . میری ڈوبتی ہوئی دنیا کی . . . کی . . . خدا جانے
کیا بھول گئی . . .

احمد :- صوفیہ . . . !

صوفیہ :- اور آسمان سے تارے نوچ کر تمہاری ساڑھی میں لگانے کا وعدہ
اور تمہارے دہکتے ہوئے حسن کے شعلوں سے اپنے عشق پہ صیقل
نہیں کرائی؟

روشن :- ایں؟ (کچھ نہ سمجھ کر) واہ . . . تمہیں کو مبارک ہوں یہ صیقلیں . . .

صوفیہ :- اور تم سے اپنی زندگی کے جام میں شراب نہیں انڈلوائی۔

روشن :- (بہت برا مان کر) یہ . . . میں . . . ہوش میں آؤ۔ کیا سمجھا
ہے مجھے؟

صوفیہ :- اور تمہاری مخروطی انگلیوں سے اپنے پریشان بالوں میں کنگھی . . .

روشن :- (رو پڑتی ہے) یا خدا مجھے موت دے۔

صوفیہ :- چہ . . . بچاری روشن . . . اور ان پرانے گھسے ہوئے جملوں

پر بچاری پھسل گئی۔

روشن :۔ میں کیوں پھسل جاتی . . . میں . . . خدا غارت کرے اس کمبخت کو . .

سجاد :۔ روشن . . . چلو . . . یہاں ٹھہرنا حماقت ہے . . .

روشن :۔ (روتی ہے) اوہ . . . میرے لئے اس دنیا میں کہیں ٹھکانہ نہیں ہیں . . .

سجاد :۔ کیا کہہ رہی ہو روشن . . . مجھے . . . مجھے معاف کر دو۔ . . . آؤ . . . چلو . . .

صوفیہ :۔ پیر . . . پیر پکڑو . . . یوں نہیں . . . اونہک ایسے نہیں . . . پیر . . .

سجاد :۔ صوفیہ ! . . . چلو روشن ہم ان . . . کم بخت . . .

روشن :۔ میں . . . آہ . . . یا خدا . . .

(دونوں نہایت پراگندہ اور کھسیانے کسی نہ کسی طرح باہر نکل جاتے ہیں۔ صوفیہ زور سے قہقہہ لگاتی ہے۔ احمد جو غور سے انہیں جاتا دیکھ رہا ہے چونک کر باغیانہ انداز سے مڑتا ہے)

صوفیہ :۔ (بڑے تیکھے انداز سے بھویں چڑھا کر) اوہو . . . چہ چہ . . .

سجاد :۔ صوفیہ . . . !

صوفیہ :۔ مجھے معلوم ہے . . . تمہارے دوہرانے کی ضرورت نہیں . . . نمک کے پانی کا غرارہ . . . ایں ؟ . . . صبح ہی صبح . . . کیوں . . . ؟

احمد :- ہاں . . . مگر . . . تم ۔

صوفیہ :- اور پھر جیسی لگا ہوا تو بس (گھن کھا کر) ہی . . . ہی . . . اور . . .

احمد :- مگر ہیں . . . .

صوفیہ :- (ہنس کر) کانٹے ہیں لگا کر . . . جیسے بچے کا جھنجھنا . . . کیوں ؟
چہ چہ . . . بچارا احمد . . . گولیاں . . . گولیاں کھائی تھیں ؟

احمد :- نہیں . . . مگر پہلے یہ بتاؤ . . .

صوفیہ :- ہیں . . . ؟ گولیاں نہیں کھائیں (تڑپ کر الماری میں سے گولیاں نکالتی ہے) حد ہے لاپروائی کی . . . کیا پھوہڑ عورت تھی کہ نہ دوا کا خیال نہ (گولیاں لے کر) منہ کھولو . . . آ . . .

(احمد منہ کھول دیتا ہے)

صوفیہ :- (گولیاں ڈال کر) توبہ ہے . . . اتنی بھی کیا لاپرواہی . . . (گلاس اٹھا کر اس کے منہ سے لگا دیتی ہے ۔ احمد پانی پیتا جاتا ہے اور اسے دیکھتا جاتا ہے ۔ گویا منتظر ہے کہ گلاس منہ سے ہٹے اور کچھ کہے) انسان کی دوا کا تو خیال رکھے . . . کہ بس . . . .

(گلاس نہیں ہٹتا اور پردہ گر جاتا ہے)

خواہ مخواہ

کردار

رفیق :- نہایت ذہین اور خوددار۔ لڑکیوں کے نام سے چڑتا ہے۔
محمود :- اس کا عزیز دوست۔
طاہرہ :- کالج کی تیز طرار لڑکی۔ لڑکوں میں بہت عزیز ہے۔ رفیق کے نام سے نفرت کرتی ہے۔

شبستان

(رفیق کے کمرے میں اسے پریشان کرنے کے لئے محمود موجود ہے)

رفیق:۔ یار محمود کان چاٹ گئے۔ اماں کبھی تو دنیا کی کسی اور بات کا ذکر کیا کرو۔ جب دیکھو وہی عاشقی کے قصّے، لونڈیوں کا رونا۔

محمود:۔ اور پھر دنیا میں اور رہ ہی کیا گیا ہے۔ تمہاری رائے ہے روٹی اور گیہوں کے بوروں سے دلچسپی لینے لگوں یا اینٹوں کا بھٹہ کھول دوں بھیّا میرے۔ عشق سے زیادہ لطیف اور حسین چیز اور ہو ہی کیا سکتی ہے۔ اور جی بھی کیسے مانے۔ کل رتنا نے یار عباسی کو ٹینس میں وہ ماردی ہے کہ یاد ہی کرتا ہوگا۔

رفیق:۔ ہنہ۔ مجھے اُلّو بنا رہے ہو جیسے میں جانتا نہیں، کہاں عباسی اور کہاں وہ بھدلی رتنا۔ جان بوجھ کر ہار گیا ہوگا۔ یہ تم جیسے اُلّو جان جان کر لڑکیوں کو بے وقوف بنانے کے لئے ہارنے کے ڈھونگ رچا لیتے ہیں۔

محمود:۔ ہاں یار مگر رتنا کو دیکھ کر کس کا جی ہارنے کو نہ چاہے گا۔

رفیق:۔ ہنہ رتنا۔ سرلا۔ مالتی۔ خورشید تمہارے لئے سب ہی حوریں ہیں۔

محمود:۔ اسے ہٹاؤ جی تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کوئی لڑکی بھی آنکھوں

ہیں نہیں جچتی۔

رفیق :۔ جچے تو جب کوئی ہو بھی اس قابل۔ کم بختیں سب کی سب کالی پیلی، اودی، چپٹی بھینگی۔

محمود :۔ ارے ہٹ پگلے تیرے کہہ دینے سے سب ہی اندھے ہو جائیں گے۔ نرمل کالی ہے؟

رفیق :۔ ایک نرمل ذرا غنیمت ہے تو وہ اتراتی اتنا ہے کہ بس میں نے تو آج تک بات نہیں کی اس سے۔

محمود :۔ جی ہاں اور جیسے وہ تمہیں بہت منہ لگائیں۔

رفیق :۔ جب تم جیسوں کے جوتیاں لگاتی ہیں، تو مجھے منہ نہ لگانا کیا معنی۔ یقیناً میں تو سجدہ کے لائق ہوں۔

محمود :۔ اچھا طاہرہ؟ اس کے متعلق کیا رائے ہے —— کیوں؟

رفیق :۔ توبہ توبہ یہ صبح صبح کس کا نام لے لیا۔ خدا قسم ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا اور۔۔

محمود :۔ ارے ہم سے چلتے ہو —— مل جائے تو جوتیاں آنکھوں سے لگاؤ۔

رفیق :۔ تم کہتے ہو مل جائے اماں یہاں دس گز سے تو بات کرتا ہوں۔ آج تک ڈھیل ہی نہیں دی۔ (وقفہ)

محمود :۔ آخر رفیق اس میں عیب کیا ہے؟

رفیق :۔ یہ تم نے بڑا مشکل سوال کیا۔ اگر تم پوچھتے کون سا وہ خوش نصیب عیب ہے جو اس میں نہیں ہے تو شاید میں بتا سکتا ایک بات پوچھوں، بتاؤ گے۔

محمود :- ہا۔ ہاں پوچھو۔

رفیق :- میں کہتا ہوں کون سی وہ خوبی ہے جو طاہرہ میں موجود ہے۔ مانا کہ بدشکل نہیں لیکن یہ گرڈیا گاریو بننے کا کیوں شوق ہے؟ فیل ہونے میں وہ مشاق۔ انزانے کا مرض اُنہیں۔

محمود :- ارے ہٹ یار فیل ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ذہین تو ہے۔

رفیق :- یعنی شاید یونین کی پریزیڈنٹ بن گئی اور وہ بھی تم جیسے خوشامدی ٹٹوؤں کی بدولت تو بس ذہین ہو گئی۔ یا دو چار واہیات مضمون لکھ لئے۔ تو بس کمال کر دیا۔

محمود :- تم اسے ٹھیک سے جانتے تک نہیں خواہ مخواہ بکواس کرنے لگے۔

رفیق :- ایسی چھچھوری بدزبان لڑکیوں سے ملنا میں اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔

محمود :- کیا جھکّی انسان ہو۔ یعنی طاہرہ اتنی اچھی لڑکی ہے کہ . . . . . اب تم یقین تھوڑی کرو گے۔

رفیق :- کیوں؟ کیا بات؟

محمود :- یہی کہ وہ بے چاری تو تمہاری بہت تعریفیں کرتی ہے۔ اجی چھوڑو تمہیں ان باتوں سے کیا دلچسپی۔

رفیق :- نہیں۔ پھر بھی معلوم تو ہو آخر وہ میری کیا تعریفیں کرتی ہیں۔ ارے میں خوب جانتا ہوں وہ اصل میں مجھ سے جلتی ہے۔ انور کہتا تھا پچھلے جاڑوں میں جب ڈیپوٹیشن جا رہا تھا تو اس نے میری خوب مخالفت کی ——
مگر ——

محمود :- ارے بھلا وہ تمہاری کیوں مخالفت کرتی؟

رفیق :- اس لئے کہ میں دوسروں کی طرح ان کے حضور میں ناک جو نہیں رگڑتا۔

محمود :- واہ - ارے عقل مند خود دار انسان کی تو اور دل میں عزت ہوتی ہے

در اصل یہی ادا تو تمہاری اسے پسند ہے کہ . . . خیر ہٹاؤ بھی

اور بات کرو ـــــ وہ سوٹ کیس خرید لائے۔

رفیق :- (جلدی سے) نہیں آج جاؤں گا - فرصت نہیں ملی - ہاں تو کیا پسند

ہے اسے؟

محمود :- کچھ نہیں یہی کہ ـــــ یار تم ان لڑکیوں کی سائیکالوجی کو نہیں سمجھ

سکتے - یہ بس ذرا عجیب چیزیں پسند کرتی ہیں۔

رفیق :- یعنی!

محمود :- یعنی یہ کہ شاید یہی بات اس کے دل میں گھر کئے ہوئے ہو کہ تم دوسروں

کی طرح اس کی خوشامد نہیں کرتے۔

رفیق :- آـــــ آ - مگر تمہیں کیسے معلوم؟

محمود :- (رومنٹک آواز میں) ارے تمہیں کیا خبر تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں۔

بھیّا میرے یہ باتیں چھپی رہتی ہیں ـــــ وہ کیا مثل ہے - مشک اور

عشق ـــــ وہ کیا ہے؟ وہ ـــــ

رفیق :- ہشت - بے وقوف کہیں کے۔

محمود :- اماں بے وقوف تو ہو تم کہ تمہیں پتہ بھی نہیں اور وہ تم پر جان دیئے

بیٹھی ہے۔

رفیق :- کیا بک رہے ہو؟ ہُنہ ۔
محمود :- اور میں نے جو کہا کہ تم رفیق کی اصلیت نہیں جانتیں تو کہنے لگیں کہ انسان کو پہلی نظر میں جو نہ پہچان سکا وہ کبھی مر کر بھی نہ پہچانے گا۔ میں نے کہا بھلی آدمی اس سے ملو تو پتہ چلے۔ تو بولیں ——
رفیق :- کیا بولیں ؟
محمود :- بولیں۔ تو پھر ملوا دیجئے نا۔ میں نے انہیں دیکھا تو کئی دفعہ ہے۔ مگر ڈبیٹ میں ۔
رفیق :- (بہت بُرا مان کر) جی ہاں وہ جب اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ کہ محترمہ کو میرا منہ دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی ۔
محمود :- یہ کس نے کہا تم سے ارے ؟ یعنی میں تو اس کے پاس بیٹھا تھا خدا کی قسم۔ یعنی یہ بھی خوب رہی۔ بات یہ ہوئی کہ لڑکیاں اسے چھیڑنے لگیں تو وہ ہنسنے لگی۔ رفیق اصل میں ہمارے کالج کے لڑکے ہیں بھی ذلیل یعنی اس قدر اچھے لڑکوں کے آگے اگر وہ تمہاری تعریف کرے تو خواہ مخواہ جل اٹھتے ہیں اور چاہتے ہیں کسی طرح نفرت پیدا کر دیں۔ ہم تو بے چاری کو چھیڑا کرتے ہیں ۔
رفیق :- کیا چھیڑتے ہو؟
محمود :- یہی کہ وہ تم سے شرماتی ہے ۔
رفیق :- (ہنس کر) اوہ بڑے شریر ہو تم لوگ ۔
محمود :- ارے یار سچ مچ شرمانے لگی ہے وہ ۔

رفیق :- ہشت - پاگل ہو تم!

محمود :- نہیں کچھ ہوتا ہے ایسا کہ چھیڑو تو خواہ مخواہ شرم آتی ہے - ہاں تو پھر تم چلوگے -

رفیق :- کہاں ؟

محمود :- ارے طاہرہ کے یہاں - بھئی میں وعدہ کر آیا ہوں - کیا مجھے ذلیل کراؤگے - بخدا کئی مرتبہ کہہ چکی ہے -

رفیق :- کیوں بنا رہے ہو، ہُنہہ!

محمود :- لعنت کم بخت پر جو تمہیں بنائے - یار وہ تم سے ملنا چاہتی ہے اور تم اترائے جاتے ہو اس نے تمہارا آرٹیکل "عورت کی فطرت" پڑھا ——— با——— س - لوٹ ہو گئی - کہنے لگی - (گھنٹہ بجتا ہے) ارے یار دیر ہو گئی چلتا ہوں - اچھا تو پھر کس دن ؟

رفیق :- چپ - ٹھہرو اماں - کیا فرمانے لگیں -

محمود :- کب ؟

رفیق :- آ——— ابھی تو تم کہہ رہے تھے وہ میرا مضمون دیکھ کر——— کہ ؟

محمود :- ہاں وہ——— کہنے لگیں (طاہرہ کی نقل میں) محمود صاحب! اگر اسی طرح ہر انسان عورت کی فطرت کو پہچان لے تو پھر یہ آئے دن طلاقیں کیوں ہوں ؟

رفیق :- ایں——— یہ——— یہ طاہرہ نے کہا ؟

محمود :- ہاں، تو پھر اتوار کو آٹھ بجے چلوگے نا ؟

رفیق :- ہیں ــــ آ ــــ بھئی کہہ نہیں سکتا۔

محمود :- نرے چغد ہی ہو ــــ اماں نہیں کھا جائے گی وہ تمہیں۔ہاں!

رفیق :- . . . . (ہنستا ہے)

محمود :- اور کیا عجب کھا بھی جائے۔کیوں؟ (دونوں ہنستے ہیں)

(طاہرہ کے گھر میں)

محمود :- (گنگنا رہا ہے اور ٹہل رہا ہے ــــ طاہرہ آتی ہے)

طاہرہ :- اوہ جناب ہیں۔اور مجھ سے نوکر نے کہا کوئی صاحب ملنے تشریف لائے ہیں۔سنا تشریف؟

محمود :- ہوں تو گویا ہم صاحب نہیں بلکہ ــــ

طاہرہ :- نہیں یہ بات نہیں۔کہئے تو پھر کہاں سے تشریف لئے چلے آ رہے ہیں۔

محمود :- ذرا رفیق سے ملنے گیا تھا۔

طاہرہ :- کون رفیق؟

محمود :- ارے رفیق ــــ رفیق ــــ اپنا فلسفی رفیق۔

طاہرہ :- اچھا ــــ (ہنستی ہے) اوہ ــــ وہ آپ کے مینڈک صاحب؟

محمود :- ایں ــــ یہ کیا بے ہودگی ہے۔

طاہرہ :- جی ہاں (ہنستی ہے) ہم نے ان کا نام مینڈک صاحب ہی رکھا ہے' وہ جس دن سے انہوں نے گلا پھاڑ پھاڑ کر تقریر کی تھی نا۔بھئی میرا تو ہنسی کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔

محمود :- بڑی بدتمیز ہیں آپ لوگ!

طاہرہ :- واہ ہم کیوں ہوتے بدتمیز۔ بھئی سچ بتائیے۔ اس دن تو میرا بُرا حال ہو گیا۔ اور رتنا کم بخت نے اور ہنسانا شروع کیا۔ غریب پہ ترس بھی آرہا تھا معلوم ہوتا تھا بیچارے کی پیٹھ میں کنکھجورا چمٹا ہوا ہے۔

محمود :- ارے ہٹائیے تقریر کو یہ رتنا خدا قسم بہت اتہائی ہے۔ خیر وہ آرٹیکل تو دیکھے آپ نے اس کے؟

طاہرہ :- اُف۔ نفرت!

محمود :- کیوں؟

طاہرہ :- چہ۔ کس قدر لغو باتیں لکھتا ہے۔ چہ چہ بھئی اس دن سے تو مجھے واقعی اس کی صورت سے نفرت ہو گئی۔ معاف کیجئے گا محمود صاحب۔ بھئی یہ آپ کے رفیق صاحب۔ خدا کے لئے ان سے کہئے پہ پیلی پتلون کا تو اب قصور معاف کر دیں۔ بالکل گارڈ بابو لگتے ہیں۔ نرمل کی رائے ہے کہ اس سال ہم سب لڑکیاں چندہ جمع کر کے ان کے لئے ایک نئی پتلون بنوا دیں۔ بھئی اور کیا۔ نسرلا نے کہا بھئی ہم دو دفعہ سنیما نہ جائیں گے۔ خورشید تو اس بات تک تیار ہے کہ ہم سب سنگار کا سامان خریدنے کے بجائے رفیق صاحب کو پتلون بخش دیں۔ چہ بالکل الّو ہیں رفیق تو ——

محمود :- واہ واہ قربان جائیے کیا مہذب خواتین کی زبان ہے۔

طاہرہ :- اور کیا کسی کو کیا حق ہے لوگوں کی آنکھ میں زخم کی طرح کھٹکنے کا —— کوئی بات ہے۔

محمود :- (ڈرامائی انداز میں) اوہ —— بے چارہ رفیق —— اوہ

طاہرہ:- ایں؟

محمود:- کچھ نہیں —— یہی کہ آپ —— آپ یہاں اس پر گھڑیاں گھونٹ رہی ہیں اور ادھر —— کیا دنیا ہے؟

طاہرہ:- آپ اسے بےچارہ کہتے ہیں؟

محمود:- اور نہیں تو کیا کہوں بچارا بدنصیب - بیوقوف -

طاہرہ:- یہ آپ ٹھیک ٹھیک ان کی تعریف کر رہے ہیں -

محمود:- مذاق نہ کرو طاہرہ - تمہارے لئے تو ہر بات میں ہنسی اور ٹھٹھے موجود ہیں - کسی نوجوان کی زندگی تمہارے لئے ایک خاک کے ذرّے سے بھی زیادہ بےحقیقت ہے - تم نئے زمانے کی نئی لڑکیاں نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو - ایک ذہین طالب علم جو نہ جانے ترقی کر کے کیا سے کیا بن سکتا ہے - اسے تباہ کرنا - بس یہ آتا ہے تم لوگوں کو -

طاہرہ:- یہ کس کا ذکر کر رہے ہیں آپ؟

محمود:- طاہرہ بیوقوفت - تم جانتی ہو میں رفیق کا ذکر کر رہا ہوں -

طاہرہ:- یا خدا —— رفیق اور ذہین -

محمود:- کیا اس میں بھی تمہیں شک ہے؟ ہر سال کون یونیورسٹی میں اوّل آتا ہے ہمارے کالج کی عزت کون بچائے ہوئے ہے ۰۰ اور

طاہرہ:- یہ آپ رفیق کے لئے کہتے ہیں جسے آپ اوّل درجے کا بےوقوف کہتے تھے -

محمود:- وہ میری غلطی تھی - میں نے جب تک اسے پہچانا نہیں تھا - لیکن ہے پھر

بھی بے وقوف یہ تو عام قاعدہ ہے کہ از حد ذہین لڑکے اسی طرح بے وقوفی سے عشق کرتے ہیں۔

طاہرہ :۔ عشق —— عشق —— رفیق اور عشق ؟ یعنی کل کہیں آپ یہ نہ کہنے لگیں کہ رفیق صاحب پیر میں پازیب باندھ کر ناچا بھی کرتے ہیں۔ توبہ! خدا کے لئے ان سے کہئے گا کہ وہ ہمیں ویسے ہی اپنی جملہ حماقتوں کے باعث کافی سے زیادہ بُرے لگتے ہیں۔ بہتر ہے اب اور . . .

محمود :۔ طاہرہ، مجھے تم سے یہی امید تھی۔ بہ خدا بالکل یہی الفاظ میں سننے کے لئے تیار تھا۔ اور رفیق نے بھی کہا تھا کہ محمود بے کار مجھے ذلیل نہ کرو۔ میں اپنی قسمت پر شاکر ہوں۔ میں ایک غریب اور کنگال طالب علم اور وہ ایک رئیس کی ناز پروردہ اکلوتی بیٹی ——

طاہرہ :۔ اچھا یہ تو بتایئے وہ ہے کون بدنصیب جس سے رفیق صاحب عشق فرما رہے ہیں۔

محمود :۔ رہنے دو۔ تمہیں اور افسوس ہوگا۔ اور تمہاری ہتک ہوگی۔ تمہاری عزت افزائی تو بس اسی میں ہوتی ہے کہ دنیا بھر کے مفت خور خوشامد میں لگے رہیں۔

طاہرہ :۔ مگر میں پوچھتی ہوں وہ ہے کون —— ؟ رتنا ہوگی —— کہوں گی آج رتنا سے ؟ (ہنستی ہے)

محمود :۔ میں جانتا تھا کہ تم ہنسو گی —— لو اور ہنس لو —— یہ خوش نصیب تم خود ہو۔

طاہرہ :- کون ہیں ؟ ـــــ یا اللہ ! (بہت ہنستی ہے)

محمود :- اور ہنسو۔ اس میں ہنسی کی بات ہی ہے۔ یہ عباس تھوڑی ہیں اور نہ جعفری کہ تم سن لیتیں کہ وہ تمہیں کیا سمجھتے ہیں تو دانت کھلا کر ہنس دیتیں۔ میں جانتا تھا۔ میں نے اسے آج تک سمجھایا۔

طاہرہ :- ہنسی کی بات ہی جو ہے۔ واہ بھئی واہ۔ مگر بڑے کمینے ہیں یہ رفیق!

محمود :- کسی کو پسند کرنا کمینہ پن ہی تو ہے نا ؟ خوب ! ایک شخص آپ کی خوبیوں کا مداح ہے اسے آپ کمینے کا خطاب دیتی ہیں۔ یہ جو سارے کالج کے لڑکے آپ کے پیچھے دیوانے ہیں تو کیا آپ کے خیال میں یہ سب آپ کے سچے عاشق ہیں۔

طاہرہ :- واہ میرے کیوں ہوتے خدا نہ کرے۔

محمود :- لیکن سچ کہنا کبھی رفیق بھی ایسے تمہارے پیچھے لگا۔ کبھی کوئی تہذیب کے خلاف بات کی۔

طاہرہ :- نہیں تو مگر ـــــ

محمود :- اور کبھی آپ نے اسے اپنے اوپر فدا ہوتے دیکھا ؟ کبھی آپ کو شبہ بھی ہوا کہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے۔

طاہرہ :- نہیں اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ رفیق کو مجھ سے ہمیشہ جلن رہی ہے۔

محمود :- غلط بالکل غلط یہ سب آپ کے خوشامدیوں نے باتیں لگائی ہیں۔ آج تک ـ یہ سمجھ لیجئے اتنے دن ہو گئے کبھی زبان سے لفظ تک نہیں نکالا۔ وہ تو میں نے اس کے پاس نظمیں لکھی ہوئی دیکھ لیں۔

طاہرہ:- نظمیں؟ یا اللہ!

محمود:- ہاں ہاں وہ مجھے یاد نہیں —— وہ —— وہ کیا ہے —— "وہ آئی طاہرہ وہ نور برساتی ہوئی آئی"

طاہرہ:- اے ہے کیا نکونا شعر ہے۔

محمود:- جو کہتا تو ہوں بے یاد نہیں —— کچھ ایسا ہی ہے۔ اجی ملبی ہی نظمیں گیت سبھی کچھ ہیں طاہرہ ایک بات کہتا ہوں۔ مانو گی۔

طاہرہ:- ضرور بشرطیکہ ماننے کی ہوئی۔

محمود:- تو ایک دفعہ اس بدنصیب سے مل لو۔ دیکھو دیکھو میں کوئی عجیب بات نہیں کہہ رہا ہوں تم اس سے ملو تو وہ تمہیں پہچان جائے گا اور وہ جو خیالی تصویر اپنے من مندر میں بنا رکھی ہے وہ ٹوٹ جائے گی تم مل کر اسے سمجھا سکتی ہو ہمارے سمجھانے سے تو وہ سمجھ چکا ——

طاہرہ:- توبہ! ہٹئے بھی۔ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں؟

محمود:- اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ کم بخت میں بڑا ضبط ہے۔ گھل گھل کر جان دے دے گا۔ مگر اُف نہ کرے گا۔ یوں شاید آپ سے مل کر اس کی سمجھ میں آجائے۔ اس میں تمہارا کیا جاتا ہے۔ میری خاطر ایک دفعہ مل لو پھر۔ اچھا تو انوار کو بلا لاؤں۔ دیکھو طاہرہ اب ——

طاہرہ:- بھئی مجھے اچھا نہیں لگتا۔

محمود:- تو کیا ہوا۔ ہماری خاطر۔ ہم نے کہا نا۔ بس —— ایک دفعہ۔

طاہرہ:- خیر بلا لائیے۔ مگر پھر اگر کچھ برا لگ جائے انہیں تو ——

محمود :- ارے وہ کیا بُرا مانے گا۔ نام سن کر تو غریب کو پسینے آنے لگتے ہیں۔

طاہرہ :- ہٹئے بھی —— چہ یہ کیا۔

محمود :- اچھا تو اتوار کو —— اچھا خدا حافظ!

(بہت دن گزر چکے —— رفیق اور طاہرہ)

رفیق :- تارا؟

طاہرہ :- ہاں رفیق؟

رفیق :- ہمیں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے کتنے دن ہو گئے۔

طاہرہ :- یہی کوئی چار پانچ مہینے۔ دسمبر میں ملے تھے۔

رفیق :- سچ؟ اور طاہرہ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ شاید گزشتہ جنم میں بھی ہم اسی طرح ایک دوسرے سے محبت کرتے آئے تھے۔

طاہرہ :- اوہ —— ہاں رفیق۔

رفیق :- اور اگلے جنم میں بھی ہم دونوں بھولے ہوئے راستوں کی طرح بھٹک کر آخر کو مل جائیں گے۔

طاہرہ :- اور تم تو بالکل ہی شاعر ہو گئے ہو۔ کیا کچھ گیت لکھنا شروع کر دیئے۔

رفیق :- تمہیں دیکھ کر میں ہمیشہ شاعر بن جایا کرتا ہوں۔ میری رگ رگ میں شعر رقص کرنے لگتے ہیں اور گیت تو میں نے اسی دن سے لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ جس دن ہماری ملاقات ہوئی تھی۔

طاہرہ :- اچھا تو کہاں ہیں وہ گیت؟

رفیق :- ارے تمہیں نہیں معلوم؟ تم نے نہیں سنے چہ- افسوس تم بڑی ظالم ہو میری ہر سانس گیت بن گئی ہے ——— میرے خون میں نغمے دوڑتے ہیں اور تم نہیں سنتیں- طاہرہ؟

طاہرہ :- ہاں!

رفیق :- ذرا سوچو ہم نہ ملتے تو میری زندگی کتنی نامکمل رہ جاتی- اور تم سوچ نہیں سکتیں طاہرہ تم نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا- اگر میں تم سے نہ ملتا تو بس ایک بے تراشے ہوئے ہیرے کی طرح خاک میں دبا پڑا رہتا——— اور تم ——— تم طاہرہ-

طاہرہ :- میں؟ (سانس لے کر) اگر میں تم سے نہ ملتی تو ——— میری زندگی کا مقصد ادھورا رہ جاتا- میں پیدا ہو کر بھی- ناپید ہی رہتی (جملے میں کچھ غلطی محسوس کرتی ہے) اُہوں- مجھے زندگی کا اصل مقصد نہ معلوم ہوتا-

رفیق :- اور کیا میں اس مقابلہ میں کامیاب ہو جاتا؟ اجی توبہ کرو- اس سے پہلے بھی میں کئی مقابلوں میں بیٹھا- مگر بے کار- اوّل تو میری پہنچ ہی نہ ہوئی (جھجکتا ہے) دوسرے دل میں وہ امنگ- وہ جیتنے کی خواہش وہ تمہیں اپنا بنانے کے لئے کسی قابل ہے- بننے کا جنون اور تمہاری تحسین- محبت- مجھے سہارا دیئے اوپر اٹھائے لئے چلی گئی- وہ تمہارا خیال تمہارے لطیف قہقہے- تمہاری سحر بار آنکھوں کے بے پناہ جنبش یہ سب مجھے کسی قابل بننے کے لئے اوپر کھینچنے لگیں-

طاہرہ :- مگر تم اس لائق تھے کہ تمہیں اچھی سے اچھی لڑکی مل جاتی رفیق-

رفیق :- توبہ کرو اچھی سے اچھی لڑکی تمہارے سامنے خاک نظر آتی ہے۔ اور طاہرہ ہم ایک دوسرے ہی کے لئے بنے تھے۔ جس طرح سیب کے دو ٹکڑے۔ انہیں جوڑ دو تو مکمل سیب بن جائے گا۔ اسی طرح ہماری زندگی خواہ ہم کہیں پیدا ہوتے۔ کہیں رہتے۔ لیکن ضرور مل جاتے۔ طاہرہ تم قسمت کی قائل ہو ——— !

طاہرہ :- قسمت کو تو نہیں جانتی ہاں خوش قسمتی کی قائل ہوں چونکہ . . . (ہنستی ہے)

رفیق :- اوہ ہاں . . . مگر خوش قسمتی تو آج کل میری مہمان ہے۔ یہ تم نے کہاں سے اسے جھپٹ لیا۔ (دونوں ہنستے ہیں) معلوم ہوتا ہے . . . یہ خوشی یہ مسرت میرا دم گھونٹ دے گی۔ بتا نہیں سکتا طاہرہ منگنی کے بعد سے میں کس عالم میں رہتا ہوں۔ جی چاہتا ہے یہ نوکری ووکری پہ لات مار کر گھر میں آن بیٹھوں اور بس تمہارا منہ دیکھا کروں (کچھ غلطی محسوس کرتا ہے) مگر اب یہ فرقت کے دن زیادہ دیر میری روح کو نہیں پیس سکتے۔ کیوں اگلے ہفتے ہی تو ہے نا ہماری شادی ؟

طاہرہ :- ہاں رفیق ——— مگر ———

رفیق :- کہو کہو کیا کہتی تھیں۔ بھئی دیکھو یہ اچھی بات نہیں کہو نا۔

طاہرہ :- یہی کہتی تھی کہ ——— کہ معلوم ہوتا ہے کہ (شرمائی ہنسی ہنستی ہے) جیسے بہت ———

رفیق :- (شوق سے) جیسے برسوں پڑے ہیں۔ ہیں نا ؟ کیوں ؟ کیوں طاہرہ . . ؟

طاہرہ :- ہاں !

رفیق :- اوہ ـــــ میری طاہرہ ـــــ کہو ـــــ کہو تم میری ہو۔ ایک بار کہو کہ تم میری ہو۔

طاہرہ :- تم جانتے ہو رفیق میں تمہارے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔

رفیق :- اوہ ـــــ اب۔ میں یہ ہفتہ اور بھی مشکل سے گزار سکوں گا۔ محمود کو میں نے کارڈ چھپنے کا انتظام کرنے کو کہہ دیا ہے۔ بڑا اچھا آدمی ہے یہ محمود!

طاہرہ :- (ہنستی ہے) ہاں!

رفیق :- کیوں ہنسی کیوں!

طاہرہ :- یوں ہی ـــــ محمود کا خیال آگیا۔ اسی نے تو ہم دونوں کو ملایا تھا۔

رفیق :- ہاں ـــــ ہاں بھئی۔ محمود کے ہمارے اوپر بہت بہت احسانات ہیں یعنی اگر محمود نہ ملواتا تو ہم ملتے ہی نہیں۔ اور بھئی محمود ہے بھی بڑے کام کا آدمی۔ سب کچھ اسی کا کیا دھرا ہے۔ میرے بس کی بات نہیں تھی۔

طاہرہ :- ہاں جناب تو ہمیشہ کے شرمیلے تھے۔ محمود نے مجھ سے کہا تھا کہ . . .

رفیق :- کیا کہا تھا؟

طاہرہ :- یہی کہ آپ . . . ملنا چاہتے ہیں مگر ہمت نہیں پڑتی۔

رفیق :- کس کی ہمت نہیں پڑتی . . . میری؟

طاہرہ :- ہاں!

رفیق :- یہ کیوں، کیا میں تم سے ڈرتا تھا۔

طاہرہ :- نہیں یہ بات نہیں بلکہ . . . ذرا آپ . . . آپ کو جھجک محسوس ہوتی تھی۔

رفیق :- مجھے جھجک محسوس ہوتی تھی یا آپ میرے نام سے شرماتی تھیں (ہنستا ہے)

طاہرہ :- میں کیوں شرماتی آپ کے نام سے۔ محمود کہتے تھے کہ . . . کہ . . .

رفیق :- کیا کہتا تھا محمود؟

طاہرہ :- یہی کہ آپ مجھے پسند کرتے ہیں اور . . .

رفیق :- یعنی؟

طاہرہ :- محمود کہتے تھے۔ کہ آپ —— بھئی مجھے نہیں معلوم انھوں نے ہی کہا تھا کہ آپ کی زندگی تباہ ہوئی جا رہی ہے۔ اور ——

رفیق :- لاحول ولا قوۃ۔ میری زندگی کیوں خراب ہوتی۔ یعنی آپ کی محبت میں تباہ ہوا جا رہا تھا یا آپ ہی مجھ خاکسار پر مہربان ہو گئی تھیں۔

طاہرہ :- محمود نے مجھ سے آکر کہا کہ آپ چھپ چھپ کر مجھے دیکھا کرتے ہیں —— اور ——

رفیق :- کون میں؟ ارے میں آپ کو چھپ چھپ کر کیوں دیکھتا۔ محمود نے تو کہا تھا کہ آپ ہی مجھ خاکسار پر بے طرح مہربان ہیں اور تم میری بہت تعریفیں کرتی ہو۔

طاہرہ :- اب یا جب؟ ملنے سے پہلے۔ ملنے سے پہلے تو۔ تو مجھے آپ کچھ اچھے نہیں لگتے تھے!

رفیق :- اور —— اور آپ۔ میرا مطلب ہے تم بھی مجھے۔ معاف کرنا کافی۔ ضرورت سے زیادہ کچھ آزاد اور مغرور معلوم ہوتی تھیں۔

طاہرہ :- تو آپ مجھ سے ملنے کے لئے کیوں بے چین تھے۔

رفیق :- کون ہیں؟ تو یہ کہئیے - یہ کس گدھے نے آپ سے کہہ دیا۔ آپ ہی نے محمود سے کہہ کہہ کر مجھے بلوایا۔ اور پھر ——

طاہرہ :- میں نے نہیں بلوایا۔ آپ ہی مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔

رفیق :- حد کر دی —— ارے میں —— ارے میں تو۔ یعنی میں تو بالکل میں نے کبھی بھی آپ سے ملنے کی خواہش نہیں کی بلکہ۔ خواہ مخواہ میں تو۔

طاہرہ :- تبھی آپ میرے لئے دن رات گیت لکھا کرتے تھے۔

رفیق :- یا اللہ —— ارے میں اور گیت - میرے باپ کو بھی گیت لکھنا نہیں آئے - معاف کرنا - طاہرہ گیت تو درکنار میں تو —— یعنی یہ تو حد ہو گئی - اور آپ نے یقین کر لیا۔

طاہرہ :- میں نے تو یقین نہیں کیا - مگر محمود ہی نے کہا - کہ آپ . . . .

رفیق :- بڑا بے ہودہ ہے یہ محمود - مجھ سے جا جا کر کہتا تھا کہ آپ مجھ پہ مرتی ہیں۔

طاہرہ :- واہ میں کیوں مرتی آپ پر؟

رفیق :- تو میں کیوں خواہ مخواہ آپ کے اوپر عاشق ہو بیٹھتا - خوب ! میری عادت لڑکیوں کے پیچھے بھاگنے دوڑنے کی نہیں ہے - اور معاف کرنا طاہرہ تم سے تو کچھ نفرت سی تھی —— اب نہیں۔

طاہرہ :- جی ہاں - اگر آپ کو مجھ سے نفرت تھی تو سن لیجئے کہ آپ سے بھی ہمیں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی - رفیق صاحب یہ تو کوئی پوشیدہ بات نہ تھی - کہ سارے کالج کی لڑکیاں آپ سے جلتی تھیں۔

رفیق :- تو کیا میں ان سب کالج کی لڑکیوں پہ عاشق بیٹھا تھا؟ چڑیلیں کہیں کی۔

طاہرہ :- آپ انہیں چڑیلیں کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے بھی آپ کا ایک نام رکھا تھا۔

رفیق :- ایں ——— وہ مجھے معلوم ہے ——— وہ ——— مینڈک۔

طاہرہ :- (ہنستی ہے) جی ہاں!

رفیق :- تو- تو آپ بھی ان میں شامل تھیں- اور ——— اور محمود نے مجھ سے کہا۔ کہ میرا مضمون پڑھ کر . . .

طاہرہ :- جی ہاں آپ کا مضمون پڑھ کر تو ہمیں اور بھی آپ سے نفرت ہو گئی تھی۔

رفیق :- تو- یہ . . . یہ محمود نے مجھ سے کہا۔

طاہرہ :- محمود نے آپ سے بالکل جھوٹ کہا- وہ ہمیشہ کے بدّھا بوٹ ہیں- اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر-

رفیق :- پاجی کہیں کا- بدمعاش زمانہ بھر کا- خدا کی قسم یعنی چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔ یعنی خواہ مخواہ مجھے پھنسا دیا- لے کے ———

طاہرہ :- رفیق صاحب اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس نے آپ کو پھنسا دیا ہے تو آپ بڑی خوشی سے آزاد ہو سکتے ہیں مجھے نہ آپ کبھی پسند تھے اور نہ ہوں۔

رفیق :- معاف کیجئے گا- یہاں بھی کوئی آپ کے بغیر مرا نہیں جا رہا ہے- اور خدا کی قسم اس محمود کو تو آج مزا نہ چکھایا ہو تو بات نہیں۔

طاہرہ :- اور میرے یہاں تو اس کمینے پن کے بعد وہ قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔

(محمود گنگناتا آتا ہے)

محمود :- اوہ ہو- یہ ٹھاٹھ ہیں- اللہ (بھانڈوں کی طرح) بنّے بنّی کی جوڑی سلامت رہے- جم جم جیئے میرا بنّا ——— آ ———

رفیق :- محمود!
محمود :- ہاں نہ دولھا میاں۔ اے ہے نہ اُٹھن نہ . . . وہ کیا ہوتا ہے . . . کچھ
. . . . وہ ——

طاہرہ :- محمود صاحب!
رفیق :- محمود مجھے تم سے اس کمینے پن کی امید نہ تھی۔
محمود :- ایں؟ کیا ہوا؟
طاہرہ :- آپ ہمارے دوست بنتے ہیں۔ اور ——
رفیق :- اس طرح ذلالت یعنی۔ مکّاری کی حد ——
محمود :- ارے ذرا چپ تو رہو۔ یہ ہو اکیا؟ —— بات کیا ہے؟
طاہرہ :- آپ نے مجھ سے کہا کہ رفیق ——
رفیق :- کہ میں ان سے عشق کرتا ہوں۔ اور یہ ——
محمود :- ایں؟
رفیق :- اور تم نے مجھ سے کہا کہ طاہرہ مجھے حد سے زیادہ پسند کرتی ہیں۔
میرے نام سے شرما جاتی ہیں۔
طاہرہ :- جی ہاں! کبھی کبھی نہیں۔ ہُنہ میں کیوں شرماتی؟
رفیق :- اور یہ کہ میں ان کی محبت میں گیت لکھتا ہوں۔
محمود :- بھئی نہ جانے تم لوگ کیا بک رہے ہو۔ ہماری تو سمجھ میں آتا نہیں۔
رفیق :- بک نہیں رہا ہوں محمود یہ مذاق نہیں۔ خواہ مخواہ تم نے بہکا کر ہمیں ——
طاہرہ :- ہُنہ۔ بہکا کر گویا آپ بڑی سونے کی چڑیا تھے نا جو کوئی بہکاتا۔

رفیق :- یہ نہ کہیئے طاہرہ صاحبہ - آئی - سی - ایس میں آتے ہی آپ کی نظر عنایت شروع ہوگئی -

طاہرہ :- جی ہاں - گویا آپ اپنی ہی قابلیت کی وجہ سے تو آئی - سی - ایس بن گئے - ابا جان

رفیق :- طاہرہ یہ تم میری ہتک کر رہی ہو -

محمود :- ارے یار! چھوڑو اس قصے کو - کیا ---- رنگ میں بھنگ ڈال رہے ہو -

رفیق :- نہیں محمود اس بھنگ کے ذمہ دار تم ہو - فساد کی جڑ تم ہی ہو -

محمود :- ایں - میں نے کیا کیا - خواہ مخواہ میرا ٹینٹوا داب رہے ہو یار -

رفیق :- ہُنہ ---- بھُس میں چنگی ڈال جمالو الگ کھڑی - یہ بتاؤ تم نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا -

محمود :- ہیں ---- میں نے ؟ - یار مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی سچ بھی بولا ہو - پھر بھلا اس کی وجہ کیسے بتا سکتا ہوں - اور بھئی پھر ایسا غضب کیا ہو گیا ؟

طاہرہ :- آپ کی دانست میں کچھ ہوا ہی نہیں - یہاں کسی کی زندگی تباہ ہوئی جا رہی تھی اور آپ کہتے ہیں کہ ----

محمود :- تو بھئی - ہاں میری غلطی تو تھی - مگر ---- میں نے تو بس تم لوگوں کو ملا دیا - اب مجھے یہ کیا خبر تھی - کہ تم دونوں محبت کر کے شادی رچانے لگ جاؤ گے - خوب!

رفیق :- لیکن پھر بھی!

محمود :- بھئی رفیق مانتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی - ہاں میں تو بازآیا تمہاری دوستی

سے - اور بھی —— خیر میں جا رہا ہوں - اور تم آئندہ میری صورت نہیں دیکھو گے۔

(محمود چلا جاتا ہے)

طاہرہ :- بدتمیز کہیں کے شریف گھروں میں آنے کے قابل نہیں ہیں۔

رفیق :- بدتمیز تم خود اور ——

طاہرہ :- میں آپ کو نہیں کہہ رہی ہوں۔ محمود کو کہہ رہی ہوں (غصّہ سے)

رفیق :- ہاں کمینہ ہے پکّا —— رذیل۔

طاہرہ :- اور رفیق صاحب یہ لیجئے اپنی انگوٹھی شکر کیجئے کہ آپ بچ گئے۔

رفیق :- مگر ——

طاہرہ :- لیجئے نا!

رفیق :- مگر سنو تو۔

طاہرہ :- جی نہیں میں کچھ نہیں سن سکتی۔ یہ لیجئے۔ اور تشریف لے جائیے۔

رفیق :- تو —— تو —— تم واقعی سب کچھ ختم کر دو گی۔ طاہرہ!

طاہرہ :- وہاں تھا ہی کیا جو میں ختم کرتی۔ لیجئے یہ گھڑی اور زنجیر۔ کل آپ کی باقی چیزیں بھی۔

رفیق :- طاہرہ یہ تم کیا کر رہی ہو۔ سنو تو طاہرہ۔ یہ تم نے انگوٹھی پھینک دی جسے تم نے زندگی بھر پہنے رہنے کا وعدہ کیا تھا۔

طاہرہ :- جاؤ رفیق - ان باتوں کو خواہ مخواہ مت دُہراؤ۔

رفیق :- مگر طاہرہ کیا تم واقعی مجھے ٹھکرا دو گی۔ طاہرہ سنو۔ یہ تم کیا کر رہی ہو۔

طاہرہ :- میں وہی کر رہی ہوں جو آپ چاہتے ہیں۔ (رونے کے انداز میں)

رفیق :- طاہرہ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تم سے جدا ہو کر زندہ رہ سکوں گا۔ طاہرہ یہ انگوٹھی پہنے رہو۔ خدا کے واسطے پہنے رہو۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ (گلا بھر آتا ہے)

طاہرہ :- نہیں رفیق۔ جاؤ (رضامندی کے لہجے میں)

رفیق :- طاہرہ میری اتنی سی بات نہیں مانو گی۔ میرا یہ ناچیز تحفہ۔ اسے اپنی انگلی میں ڈالے رہو۔ میں چلا جاؤں گا۔ تم پھر میری صورت نہیں دیکھو گی۔

طاہرہ :- خواہ مخواہ اس سے کیا فائدہ۔ میرے لئے تم کیوں اپنی زندگی برباد کرتے ہو۔

رفیق :- تمہارے بغیر میری زندگی ایک مسلسل موت سے بدتر ہو گی۔ تمہیں کھو کر میرے لئے ہر دولت پتھر بن جائے گی۔ طاہرہ! تم ایک روشن ستارے کی طرح میری زندگی کے آسمان پر جگمگائیں اور پھر . . . . طاہرہ۔ میں تمہیں بھول جانے کی کوشش کروں گا۔ میں چلا جاؤں گا —— اور —— اور

طاہرہ :- ایسی باتیں نہ کرو رفیق۔ میرے دل کو نہ جانے کیا ہونے لگتا ہے۔

رفیق :- خدا نہ کرے جو تمہارے معصوم دل کو کچھ ہو —— طاہرہ —— میں بڑا بدنصیب ہوں۔

طاہرہ :- نہیں رفیق —— بدنصیب تو میں ہوں۔

رفیق :- طاہرہ —— تم —— تم مجھے بھول جاؤ گی —— مگر —— اوہ میں جا رہا ہوں۔

طاہرہ :- اوہ —— رفیق —— (پھوٹ کر رونے لگتی ہے) نہیں رفیق —— رفیق۔

رفیق :- اُوف — طاہرہ میری اپنی طاہرہ — میری اچھی گڑیا — اوہ — تم رو رہی ہو۔ اوہ (لپٹا لیتا ہے) نہیں نہیں روؤ مت میرا دل ٹوٹا جا رہا ہے۔ خدا کے لئے۔

طاہرہ :- رفیق — اللہ — تم چلے جاؤ گے تو — تو — نہیں نہیں تم نہ جاؤ گے۔

رفیق :- اور کیا تم سوچتی تھیں میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاتا۔ گویا میں جا ہی سکتا تھا۔ تمہیں چھوڑ کر جاتا بھی تو کہاں — اور کیسے؟ میری طاہرہ (وقفہ سسکیاں)

طاہرہ :- یہ ہمیں کیا ہو گیا تھا ابھی رفیق؟

رفیق :- کیا — یہ کچھ بھی نہیں۔ یونہی خواہ مخواہ — ہُچ! بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس آؤ۔

طاہرہ :- مگر رفیق؟

رفیق :- ہاں میری جان؟

طاہرہ :- کچھ نہیں وہ — وہ محمود۔

رفیق :- ہاں — اوہ محمود!

طاہرہ :- وہ کیا کہے گا —؟

(محمود آ جاتا ہے۔ قہقہہ لگاتا ہے)

طاہرہ :- ہائے اللہ — ہٹئے بھی مجھے تو شرم آ رہی ہے کیا سوچے گا۔

محمود :- ہنہ — محمود کیا کہے گا — گویا محمود تو کچھ کہے گا ہی نہیں خوب! کیا سمجھ رکھا ہے تم لوگوں نے مجھے — بیوقوف کہیں کے تم دونوں بیوقوف ہو۔ پکے درجے کے بیوقوف — ہنہ — خواہ مخواہ —!

تصویریں

ہم سوتے جاگتے کتنے خواب دیکھتے ہیں۔ کچھ تو ایسے بے تکے اور بے ہنگم جن کا سر نہ پیر، کچھ ہمارے دماغ کے عجیب و غریب واہمے مختلف صورتوں میں سوتے میں ہمارے اوپر حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہی معمولی باتیں جو ہم جاگتے میں سوچتے ہیں بھیس بدل کر خوف زدہ کر دیتی ہیں نفسیات کے پروفیسر کہتے ہیں "خواب دبی ہوئی خواہشات اور غیر محسوس خوف کا نتیجہ ہیں"۔ جن چیزوں سے ہم جاگتے میں فرار چاہتے ہیں سوتے میں ہمارے قابو سے نکل کر ہمارے اوپر قابض ہو جاتی ہیں۔ اور ہماری قلعی کھول دیتی ہیں۔

کردار

سعید:۔ لڑکیوں سے محبت لڑانا بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتا ہے مگر اس کا SUBCONCIOUS لڑکیوں سے خوف زدہ ہے۔ جتنا جاگتے میں چرب زبان ہے اتنا ہی سوتے میں بدحواس۔

نیلوفر:۔ سعید کا ہمزاد۔ جاگتے ہوئے سعید کی طرح چرب زبان اور بے باک۔

شمیم:۔ جس کا مقصدِ زندگی عشق کرنا نہیں۔ اس کے متعلق چٹخارے دار تجربات سننا ہے۔

شیطان

(ڈرامہ ایک معمولی کلرک کے کمرے میں شروع ہوتا ہے۔ کمرہ کا فرنیچر نہایت اعلیٰ وضع کا، مگر گھٹیا اور پرانا۔ دیوار پر برہنہ عورتوں کی تصویریں آویزاں ہیں جو سعید کی ذہنی بلند پروازی کی شہادت دیتی ہیں۔ سعید مسہری پر سو رہا ہے۔ دستک کی آواز آتی ہے، جاگتا ہے۔)

سعید :۔ کون ہے؟ کم بخت اتوار کو بھی نہیں سونے دیتے۔

شمیم :۔ کھولو یار ——

سعید :۔ لاحول ولاقوۃ —— اماں صبح ہی صبح آن مرے (دروازہ کھولتا ہے) کیا آج سڑک ہی پہ سو رہے تھے؟

شمیم :۔ مگر بھیا میرے یہ سونے کا وقت ہے۔ معلوم ہے نو بج رہے ہیں۔

سعید :۔ (پلنگ پر لیٹتے ہوئے) نو نہیں نو ہزار بج جائیں۔ اتوار کو بھی نہیں سوئیں تو پھر . . . .

شمیم :۔ مگر دوست تمہارے لئے تو سب ہی دن اتوار ہیں —— گھرے میں ہو آج کل۔ جبھی میں کہوں جناب نے یہ دو کوڑی کی نوکری کیسے کر لی۔ یہ نہیں کہتے نہر کھودی جا رہی ہے۔

سعید :۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

شمیم :۔ اب ہم سے اڑتے ہو۔ یہ نہیں کہتے نصیب جاگ اٹھے۔ یار کچھ ہمارے لئے بھی کرو۔ ہے موقع؟

سعید :۔ کیوں دماغ چاٹ رہے ہو۔ کیسا موقع؟

شمیم :۔ کوئی تمہاری سالی والی ہو تو ہمیں بھی اٹکا دو۔ سیکرٹری کی جگہ چپکا دو، باقی کام ہم کر لیں گے۔ میں کہتا ہوں یہ تمہارے سسر نے تم میں دیکھا کیا جو ریجھ گئے۔

سعید :۔ قسمت ہے اپنی اپنی۔

شمیم :۔ سنا ہے گھر داماد رکھے گا!

سعید :۔ پھر تم کیوں جلے مرتے ہو۔

شمیم :۔ اور ہیروئن۔ میرا مطلب ہے ہماری ہونے والی بھابی زوردار لونڈیا ہے۔

سعید :۔ بس یہ سمجھ لو شعلہ ہے۔

شمیم :۔ شعلۂ جوالہ۔

سعید :۔ ہاں!

شمیم :۔ ہے ہے! پھر؟

سعید :۔ پھر کیا پھر! بندے خاں تو شعلے کی آنچ میں تپ رہے ہیں۔ یہ سمجھ لو ہوا میں اڑ رہے ہیں۔

شمیم :۔ ٹھیک کہا تم نے۔ بھلا ایسے موٹے سیٹھ کی لڑکی کو پھانس کر کون مائی کا

لال پاؤں پاؤں چلے گا۔ قسمت والے ہو یار۔ نوکری بھی ملی تو چھوٹتے ہی پرموشن یعنی ایک دم گھر داماد ی۔ مگر یار دماغ بڑے ہوں گے اس کے۔

سعید :۔ کس کے ؟ نیلوفر کے ؟ اجی توبہ کرو۔ مجھے تم نے ابھی اچھی طرح پہچانا نہیں شاید۔ ارمیاں یوں یوں (چٹکی بجا کر) دو دن میں شیشہ میں اتار لیا پری کو۔ یہ دیکھو لو آج چھٹا دن ہے اور یار دیا پانسہ۔

شمیم :۔ مار دیا ! پھر ؟

سعید :۔ اماں پھر کیا —— چلی آ رہی ہیں محترمہ سروِ رقصاں کی طرح لہراتی اور جونہی نظر بھر کر دیکھا غنچے چٹکنے لگے۔

شمیم :۔ یعنی !

سعید :۔ شرما کر مسکرا دیں۔

شمیم :۔ ہیں —— مسکرا دیں ! یعنی مسکرا آ دیں ؟

سعید :۔ یہی نہیں ، میز کے پاس تشریف لے آئیں —— کیا سمجھے !

شمیم :۔ (جذبات کی فراوانی اور حیرت سے بوکھلا جاتا ہے) بھئی حد ہے۔

سعید :۔ اور فرمانے لگیں —— (اٹھلا کر) سعید صاحب ذرا آپ کو تکلیف نہ ہو تو پہلے شو کے چار ٹکٹ ریزرو کرا دیجیئے۔

شمیم :۔ پھر تم نے کیا کہا —— یار ہاتھ پیر تو پھول گئے ہوں گے (خود اس کے پھولنے لگتے ہیں)

سعید :۔ اماں ہٹاؤ بھی —— جانے کتنی چھوکریاں چڑا پھینک دی ہیں —— میں بولا . . . . .

شمیم :- سر آنکھوں پر ــــ

سعید :- بڑی ہو تم تو نرے - ارے اُلّو کہیں آج کل کی لڑکیاں اس طرح قابو میں آتی ہیں - جانتے ہو میں نے کیا کہا -

شمیم :- یار جانتے ہوتے تو یہ تم سے . . . تمہارے پاس کیوں آتے روز -

سعید :- پہلے تو میں نے ایک نظر بھر کر سر سے پیر تک دیکھا -

شمیم :- ہے ، ہے - کٹ گئی ہو گی کم بخت -

سعید :- اجی وہ کیا کٹتی - ہیرے کی کنی تو سنگ خارا کا بھی سینہ چاک کر دیتی ہے - یہاں تو پھر وہی گوشت کا لوتھڑا ہے کلیجے میں - اُف ! وہ سرو کو لجانے والا لچکیلا قد - کافوری بلاؤز میں سے صنوبر کی صندلی شاخوں کی طرح حسین لہراتی ہوئی باہیں - آسمانی زرتار ساڑی جس پر مشّاق کاری گر نے جیسے روپہلی ستاروں کو پگھلا کر لکیریں کھینچ دی ہوں - کانوں میں لمبے لمبے آویزے جیسے شبنم کے مسلسل قطرے سورج کی کرن میں پرو کر لٹکا دیئے ہوں - بات کرتے میں وہ آویزے کچھ اس طرح کپکپا اٹھتے جیسے کسی کنواری کے مقدس آنسو -

شمیم :- اونہوں ہوں ــــ

سعید :- معلوم ہوا کسی نے میرے دل کو اسفنج کی طرح انگلیوں میں بھینچ کر نچوڑ ڈالا - خدا کی پناہ جوانی تھی کہ اُبلی پڑتی تھی - وہ گدرایا ہوا سینہ - توبہ ، وہ ہنس جیسی کھینچی ہوئی گردن اور کھلے گلے کے سیاہ جمپر میں سے جھلکتی ہوئی محرابیں -

شمیم :- یار ابھی تو تم کافوری بلاؤز ــــ

سعید :- ہیں ؟ کافوری ؟ شاید کافوری ہی ہو ۔ ۔ ۔ مگر وہ تیلی ناگن جیسی کمر پہ ساڑھی کا کھنچاؤ ـــــ اور ہونٹ ـــــ ہونٹ جیسے گلاب کی کومل پتیاں شہد میں ڈبو کر رکھ دی ہوں ۔ ۔ ۔ اور آنکھیں ۔ ۔ ۔ شیریں اور مدہوش کن ۔ ۔ ۔ جیسے شراب کے چھلکتے ہوئے جام !

شمیم :- قطع کلام ۔ ۔ ۔ تم چائے پی چکے ؟

سعید :- نہیں ـــــ اور یہ بھی معلوم ہے یہ سینما کے چار ٹکٹ کیوں خریدے جا رہے تھے ۔ فرمایا میرے کچھ دوست جا رہے ہیں ۔

شمیم :- ان دوستوں میں جناب بھی ۔

سعید :- ہیں ! نہیں یار میں اپنی قدر نہیں کھونا چاہتا ـــــ کہہ دیا ـــــ مجھے فرصت نہیں ۔

شمیم :- اُف ۔ بڑے ظالم ہو کم بخت ـــــ اچھا تو چائے ۔

سعید :- (کچھ نہیں سنتا ـــــ) میں نے قیمت لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ۔

شمیم :- (جلدی سے بات ختم کرنے کو) تو تمہارا ہاتھ اس کی شمعی انگلیوں سے چھو گیا اور بجلی سی دوڑ گئی ۔

سعید :- ایں !

شمیم :- ہاں یار یہی ہوتا ہے ۔ تو اب ناشتہ کر لیا جائے ۔ میرے خیال سے ، پھر مزے سے باتیں ہوں گی ۔ ان کی تمہاری ہیلو فر کی ۔

سعید :- نیلو ۔ ۔ نیلو ۔ ۔ ۔ میں تو نیلو ہی کہتا ہوں (اسے بے چین دیکھ کر) اچھا تو نیچے سے ہوٹل سے چاء لے آؤ ۔ کہنا دو اسپیشل ۔

شمیم :- اور جلیبیاں؟ تازہ بنتی ہیں۔

سعید :- ہاں —— مگر ذرا جلدی آنا۔

(شمیم جاتا ہے۔ سعید جمائی لے کر لمبی سی انگڑائی لیتا ہے۔ دو تین بار آنکھیں جھپکاتا ہے۔ تخیل میں نہ جانے کیا دیکھ کر مسکراتا، پھر آہستہ آہستہ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اور سو جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ اسٹیج پہ اندھیرا ہو جاتا ہے۔ سعید کے سرہانے سے انگڑائی لیتی ہوئی نیلوفر اٹھتی ہے۔ جیسے پلنگ کے نیچے بیٹھی تھی۔ پھر دھیمے دھیمے اجالا واپس آجاتا ہے۔ مگر بہت تیز نہیں۔ کچھ نیلا نیلا آسمانی نور سا پھیل جاتا ہے۔ سعید آنکھیں کھولتا ہے)

نیلوفر :- ہیلو ڈارلنگ!

سعید :- ایں . . . آپ . . . آ . . . . (اٹھ بیٹھتا ہے) آداب عرض۔

نیلوفر :- آداب عرض؟ یہ تکلف! میرا اور آپ کا رشتہ بھلا اس آداب و اداب کا ہے۔

سعید :- جی . . . جی . . . تشریف رکھئے۔

نیلوفر :- اوہ . . . . یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ تشریف؟ تشریف۔ تم نے مجھے تشریف رکھنے کو کہا!

سعید :- جی . . . جی ہاں وہ کرسی۔

نیلوفر :- اوہ خدا —— تشریف اور کرسی پہ —— میں —— میرے لئے

تمہاری بے چین آغوش میں ذرا بھی جگہ نہیں!

سعید:- ایں؟ —— آ... اُ...

نیلوفر:- ذرا ایک نظر بھر کر میری طرف دیکھئے - کیا میں اسی قابل ہوں کہ مجھے
کرسی پر پٹخ دیا جائے - اوہ —— ایک بار میرے سرو کی طرح
لچکیلے قد کو دیکھئے -

سعید:- (گھبرا گھبرا کر دیکھنا چاہتا ہے مگر نہیں دیکھا جاتا) جی —— جی...

نیلوفر:- کیا دیکھا آپ نے؟ —— (اس کی گھبراہٹ پر) ہیں؟ کچھ نہیں ——
آپ کو کچھ نظر نہیں آتا - میری ساڑھی —— بتائیے میری ساڑھی
کا کیا رنگ ہے؟

سعید:- محترمہ....

نیلوفر:- اووف —— گھاؤ پر گھاؤ - پہلے تشریف اور پھر —— یہ ——
یہ محترمہ - اور میری ساڑھی کا رنگ - بتائیے خدا کے لئے میرا دل
نہ توڑئیے —— میری ساڑھی کا رنگ -

سعید:- جی —— آپ کی ساڑھی... یہی... کوئی... شاید اودی...

نیلوفر:- اوہ..... اودی...

سعید:- تو... پیلی....

نیلوفر:- اُف - آپ نے میرا دل توڑ دینے کا ارادہ کر لیا ہے... آپ
مجھے اس قدر بد مذاق سمجھتے ہیں کہ... کہ میں اودی یا پیلی
ساڑھی پہن سکتی ہوں —— بتائیے... ذرا اپنے دل کی

گہرائیوں سے پوچھئے کہ مجھ جیسی حسینہ اودی ساڑھی پہن سکتی ہے۔ کجا پیلی —— اُف۔

سعید:۔ ہیں ۔ ۔ ۔ معاف کیجئے گا، مجھے رنگوں کی پہچان ۔ ۔ ۔ ذرا کم ہے ۔ ۔ ۔ ۔

نیلوفر:۔ آہ! یہ میں کیا سن رہی ہوں (ڈانٹ کر) سعید پیارے!

سعید:۔ (سٹ پٹا کر) جی ۔ ۔ ۔ جی ۔ ۔ ۔

نیلوفر:۔ بتائیے میری ساڑھی پر کس قسم کا کام ہو رہا ہے؟

سعید:۔ (آنکھیں چندھیائی ہوئی سی ہیں) مگر ۔ ۔ ۔ محترمہ ۔ ۔ ۔ ۔

نیلوفر:۔ جلدی بتائیے —— میں زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتی —— بتائیے۔ ایک تو آپ کو میری ساڑھی کا رنگ معلوم نہیں (نقل کر کے) اودی —— نیلی —— پیلی —— ہنہ —— گدھے سے گدھا انسان بھی بتا سکتا ہے کہ میری ساڑھی آسمانی رنگ کی ہے۔ اور کام ۔ ۔ ۔ بتائیے اس پر کلابتو کا کام ہے یا کامدانی یا زردوزی —— یا ۔ ۔ ۔

سعید:۔ (جلدی سے) شاید ۔ ۔ ۔ کامدانی ۔ ۔ ۔ ۔

نیلوفر:۔ کیا کہا؟ کامدانی —— (غم سے بالکل نڈھال ہو کر کرسی پر لڑکھڑا جاتی ہے) آپ نے مجھے گنوار سمجھا ہے؟ آپ سمجھتے ہیں میں کامدانی ۔ ۔ ۔ اور کچھ بھی نہیں کامدانی کے کام کی ساڑھی پہنوں گی (ایک دم جھلّا کر) سعید صاحب معاف کیجئے گا۔

سعید:۔ (لجاجت سے) تو پھر شاید زردوزی ہوگا ——

نیلوفر:- ہنہ زردوز ہوگا ——— اس سے رکیک گالی نہیں آتی آپ کو ——— پہنتا ہے کوئی زردوز آج کل ——— دیکھا ہے آپ نے کسی معزز عورت کو زردوز پہنے ——— کجا مجھ جیسی شعلۂ جوالہ ——— مگر سمجھی! آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ آپ مجھ پر عاشق نہیں ہیں۔ کم از کم مکمل طور پر ابھی نہیں ہو پائے۔ آپ کو میری ساڑھی کا رنگ نہیں معلوم۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس پر مشاق کاریگر نے ستاروں کو پگھلا کر لکیریں کھینچ دی ہیں۔ پھر ——— پھر بھلا آپ کو میرا بلاؤز کیا یاد ہوگا ——— اسے بھی آپ ہرا لال یا پیلا کہہ دیں گے ——— اور ——— پھر اوہ . . . .

سعید:- معاف کیجئے محترمہ!

نیلوفر:- ظالم کہیں کے . . . . ہاں میں تمہیں دیکھ کر مسکرائی . . . حد ہے کہ شرما کر مسکرائی اور تم آج . . . . ہاں کہہ دو میرے بندے بھی تم کو نظر نہیں آتے . . . ! شبنم کے مسلسل قطرے سورج کی کرن میں پرو کر . . . .

سعید:- مگر . . . عرض کیا نا . . . کہ . . . .

نیلوفر:- اور یہ کم بخت گدرایا ہوا سینہ آپ نے خاک دیکھا ہوگا۔

سعید:- اُ . . . .

نیلوفر:- اور یہ نیچے گلے میں سے جھلکتی ہوئی محرابیں میں صرف آپ کو دکھانے کے لئے جان جان کر کھولتی ہوں۔

سعید:- لاحول ولا قوۃ!

نیلوفر :- آپ میرے حسن پر لاحول بھیج رہے ہیں ؟
سعید :- جی . . . جی نہیں . . . مگر —— محترمہ —— کس قدر بے ہنگم معلوم ہوتے ہیں یہ الفاظ آپ کے ہونٹوں سے ۔
نیلوفر :- معیوب ! میں اپنے سینے کا ذکر کر رہی ہوں آپ کے کسی حصۂ جسم کا ذکر کر کے لذت نہیں لے رہی ہوں ، پھر آپ کو کیوں اعتراض ہے

واہ . . . .

سعید :- توبہ !
نیلوفر :- ویسے آپ یہ نہ سمجھئے ، مجھے آپ کے جسم سے دلچسپی نہیں . . . . یہ آپ کے کندھے جنہیں کوٹ میں روئی بھر کر درزی نے اور بھی چوڑا اور ظالم بنا دیا ہے ۔ یہ مضبوط اور سڈول بازو . . . جن میں وزن اٹھانے کی بالکل طاقت نہیں مگر دوشیزاؤں کے گلے میں حمائل ہونے میں مشاق ہیں ۔ یہ حسین پیشانی جس پر فکر کی گہری لمبی لمبی شکنوں کی صورت میں کھنچی ہوئی حسین لڑکیوں کے دل پر ضرور نقش ہو جاتی ہیں ۔ یہ مدقوق پچکے ہوئے مہاسوں دار گال ، جن پر شہد میں ڈوبے ہوئے گلاب کی پتی کی مانند ہونٹ رقصاں ہونے کے لئے تڑپتے ہیں ۔ یہ آپ کے جسم کی معنبر سڑاند . . .
سعید :- معاف کیجئے گا آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں ۔
نیلوفر :- مذاق ! توبہ کیجئے ۔ آپ نے مجھ جیسی نہ جانے کتنی لڑکیوں کو چوڑا کر پھینک دیا ہے ۔ بھلا میں اور شیشے میں نہ اتر آؤں —— آپ جیسے

مرد میدان کی قہر بداماں جوانی اور مجھے بے قرار نہ کرے ——
وہ مدہوش کن جوانی جسے ہمدرد دواخانہ دہلی نے قہر بنا دیا ہے۔
جو سارے اشتہاروں کا جیتا جاگتا سو فی صدی بولتا گاتا ناچتا اشتہار
ہے۔ مجھ جیسی لڑکیاں آپ جیسے دو ٹکے کے کلرکوں پہ نہ مریں گی تو
پھر کس پر مریں گی۔ اور ہماری تعلیم ہمیں سکھاتی ہی کیا ہے۔ سوائے
غلاظت اور کوڑے سے عشق کرنے کے (اٹھ کر قریب آتی ہے)

سعید:۔ (بے دم ہو جاتا ہے) آپ . . . آپ . . . خدارا
آپ جائیے . . . جائیے . . .

نیلوفر:۔ میں کیسے جا سکتی ہوں۔ پھر میرے باپ کو گھر داماد رکھنے کے لئے
کون ملے گا۔ نہیں میں نہیں جا سکتی۔ تمہیں پا کر میں اب کہیں نہیں
جا سکتی . . . یہ . . . یہ تمہارے شہد میں ڈوبے ہوئے
حسین بال . . . اور میٹھی انکھڑیاں . . .

سعید:۔ اوہ خدا . . . میں پاگل ہو جاؤں گا۔

نیلوفر:۔ (اس کے پاس جاتی ہے) یہ شباب میں غرق مونچھیں۔

سعید:۔ لاحول ولا قوۃ . . .

نیلوفر:۔ بگڑو نہیں . . . اوہ مونچھیں تو تم منڈاتے ہو . . . مگر میں
شرط بد سکتی ہوں کہ اگر مونچھیں ہوتیں تو وہ ضرور خواب آور اور
رسیلی ہوتیں۔ جن کی سرسراہٹ مجھ جیسی ہزاروں لڑکیوں کو سُر تال
پر نچا چھوڑتی۔

سعید :- یہ . . . یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ؟

نیلوفر :- کیوں ؟ میری تشبیہیں آپ کو پسند نہیں۔ اچھا شیلی سہی۔

سعید :- اوفوہ . . . چہ چہ . . . یہ . . . . .

نیلوفر :- تو پھر میں آپ کی مونچھوں کو کس چیز سے تشبیہہ دوں۔

سعید :- چولھے میں ڈالئے میری مونچھوں کو . . . آپ . . . .

نیلوفر :- چولھے میں کیوں ڈالوں۔ آپ نے مجھے اس قدر بدمذاق سمجھا ہے۔ کہ میں معشوق کی مونچھوں کو کسی لطیف شے سے تشبیہہ بھی نہیں دے سکتی . . . . یہ . . . یہ آپ کی . . . میٹھی . . . شیریں . . . اوہو —— ٹھیک میٹھی سویّوں جیسی مونچھیں۔ کیوں آپ بگڑتے کیوں ہیں۔ آپ میرے جسم کو انار امرود سردا اور پیپل نہ جانے کس کس سے مشابہ کرتے ہیں تو ——

سعید :- رہنے دیجئے . . . رحم کیجئے . . . . .

نیلوفر :- نہیں میں فیصلہ کرچکی ہوں . . .

سعید :- کیسا فیصلہ ؟

نیلوفر :- یہی کہ مجھے آپ کے اوپر عاشق ہونا پڑے گا —— (خطرناک انداز سے بڑھتی ہے) آؤ . . . .

سعید :- مگر . . . میں . . . میں . . . معاف کیجئے گا . . . .

نیلوفر :- آؤ . . . میرے دھڑکتے ہوئے سینے پہ اپنا چوڑا سینہ رکھ دو . . . اور اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے . . . .

سعید :۔ (گھبرا کر ہٹتا ہے) اوہ . . . میں . . . میں . . .
نیلوفر :۔ ڈرتے کیوں ہو . . . کیا میں تمہاری عصمت چھین لوں گی (گلے میں باہیں ڈال کر کھینچتی ہے) کتنی بار خواب میں تم نے مجھ سے لطف اٹھایا۔ آپ نے بھو کے دماغ اور یتیم کی روح کو میرے خیال کی گرمی سے سینکا ہے۔ آؤ آج مجھے بھی تھوڑا سا عشق لڑانے دو۔ تم نے اپنی ناداری، کم مائگی اور بزدلی کا انتقام میرے تخیل سے لیا جسمانی طور پر نہ پا سکے تو تم نے میری روح سے زنا شروع کر دیا۔
سعید :۔ (تھک کر جھک جاتا ہے)
نیلوفر :۔ آؤ . . . میرے باپ کے اکلوتے داماد . . . میری آغوش تمہارے لئے پھڑک رہی ہے . . . آؤ . . . (نیلوفر اسے جھجکتا دیکھ کر) آؤ ہمارا دل نہ توڑو . . . (قہقہہ لگاتی ہے جو سعید کے حواس پر ہتھوڑے کی ضربوں کی طرح گونجتا ہے۔ کمرے میں لگی ہوئی برہنہ تصویر قہقہہ لگاتی ہے۔ فضا چڑیلوں کے بھیانک قہقہوں سے گونج اٹھتی ہے۔ آہٹ ہوتی ہے — جیسے کوئی دروازہ کو لاتیں مار رہا ہے۔ اندھیرا ہو جاتا ہے۔ پھر پہلو کی کھڑکی ہوا سے کھلتی ہے اور اجالا ہو جاتا ہے۔ سعید گھٹی ہوئی آہوں سے کراہ رہا ہے۔ شمیم ٹھوکر سے دروازہ کھول کر آتا ہے)
شمیم :۔ (دونوں ہاتھوں میں چاء کا سامان ہے) ارے کیا سو گئے تھے پھر — دروازہ بھیڑ دیا — میرے دونوں ہاتھ گھرے ہوئے تھے۔

سعید :- (پسینے میں تر ہانپ رہا ہے)

شمیم :- ارے یہ کیا ہو گیا تمہیں . . . بری طرح ہانپ رہے ہو؟

سعید :- ایں . . . کچھ نہیں۔

شمیم :- یہ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری —— سارے شرابور ہو رہے ہو پسینے میں . . . لو چائے پیو . . . جی ٹھہر جائے گا۔

سعید :- (کھویا ہوا سا چائے لیتا ہے)

شمیم :- اور کہو بھئی . . .

سعید :- کیا؟

شمیم :- وہی کیا کہہ رہے تھے تم . . . وہ شعلۂ جوالہ اپنی بھابی جان . . .

سعید :- ایں . . . وہ . . . چھوڑو . . .

شمیم :- اماں وہی بتِ کافر تمہارے سسر کی لڑکی —— آسمانی رنگ کی زرتار ساڑھی جیسے کسی نے ستارے پگھلا کر لکیریں کھینچ دی ہوں اور سیاہ جمپر میں سے جھلکتی ہوئی . . . (سعید کو دیکھتا ہے۔ جو خوف زدہ نظروں سے دیوار پہ ٹنگی ہوئی برہنہ تصویر کو گھور رہا ہے) ایں . . . اور . . . اور وہ مسلسل آنسوؤں کو سورج کی کرن میں پرو کر . . .

سعید :- جانے دو . . . چھوڑو اِن کم بخت عورتوں کے قصے کو . . .

شمیم :- معلوم ہوتا ہے کوئی خواب دیکھا ہے؟

سعید :- ایں . . .

شمیم :- ویسا ہی چٹ پٹا . . . . اس دن جیسا جب جج صاحب کی لڑکی
تمہارے تنہا کمرے میں بھیگی ہوئی ساڑھی پہنے لجاتی ہوئی آئی تھی . . .
اور تم نے اس کی ساڑھی سکھاتے . . . .

سعید :- (تصویر پہ ایک چڑیا آکر بیٹھتی ہے ۔ جس سے وہ زور زور سے ہلتی
ہے ۔ گویا کوئی لڑکی قہقہہ لگاتی ہے ۔ (سعید کانپ جاتا ہے)

شمیم :- مگر آج تو تم اپنی نیلوفر کو دیکھ رہے تھے خواب میں . . .
وہی لچکیلے سرو جیسی چال اور مست جوانی . . . .

سعید :- اوہ . . . چپ رہو (لڑکی پھر ہنستی ہے ۔ تصویر زور زور سے
پینگ لیتی ہے) گلا گھونٹ دوں گا . . . جاؤ . . . .

شمیم :- ہیں . . . یہ پھر وہی پرانا دورہ . . . .

سعید :- بھاگ جاؤ . . . غارت ہو جاؤ ، دورے کے بچے ۔

شمیم :- (اس کے تھپڑ کی زد سے بچ کر) ڈاکٹر کو بلانے جاتا ہوں . . .
سمجھے . . . .

سعید :- تم ۔ تم (تصویر اور زور سے ہلتی ہے ۔ غصہ اور نفرت سے سعید کا
چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے) جاؤ . . . نکل جاؤ . . . غارت
ہو جاؤ میرے دماغ سے ۔ میرا پیچھا چھوڑ دو . . . میرا سر . . .
میرا سر . . . (چڑیا اڑتی ہے ، اور تصویر جیسے قہقہہ مار کر
چھلانگ لگاتی ہے —— سعید چیخ کر الگ گرتا ہے شمیم جھپٹ
کر باہر بھاگ جاتا ہے ۔ سعید جیسے اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے

دانت پیستا اٹھتا ہے۔ ساری تصویریں قہقہہ لگاتی ہیں وہ جھلّا کر میز پر سے چیزیں اٹھا اٹھا کر تصویروں کو مارتا ہے۔ ایک البم دیوار سے ٹکرا کر کھل جاتا ہے۔ اور اس میں سے درجنوں ویسی ہی تصویریں نکل کر ہوا میں بکھر کر کمرے میں پھیل جاتی ہیں ــــ سعید پاگلوں کی طرح ڈر کر ان سے بھاگتا ہے۔ اور پلنگ پر گر کر سسکیاں بھرنے لگتا ہے ․ ․ ․ ․)

(شمیم دبے پیر آتا ہے۔ سعید کے جنبش کرنے پر گھبرا کر جلدی سے چاء کی پیالی اور جلیبیاں اٹھا کر غائب ہو جاتا ہے ــــ چلتے چلتے چپکے سے ایک تصویر اٹھا کر جیب میں ڈال لیتا ہے)

دلہن کیسی ہے

کردار

چھمی خالہ :- ایک مکمل خالہ
حمیدہ :- بے چین اور بے صبر بھانجی
اماں :- چھمی خالہ کی بہن مگر ان سے میلوں پیچھے
شفیق :- حمیدہ کا بھائی۔

حمیدہ :- بھیا بھیا ذرا ٹھہریئے۔ کہاں جا رہے ہیں ؟
شفیق :- تمہیں اس سے کیا۔ جہاں ہمارا جی چاہے۔
حمیدہ :- تو پھر جایئے۔ ہمیں کیا۔ آپ ہی کا نقصان ہوگا۔
شفیق :- نقصان۔ بھلا ہمارا کیا نقصان ہوگا۔ ہنہ ہٹو جانے دو۔
حمیدہ :- سنئے۔ چھوٹی خالہ۔ آپ کی دلہن دیکھنے گئی ہیں۔ مجھے (ہنستی ہے) ہاں۔
شفیق :- ایں۔ ؟ . . . اُ . . . ہشت کیسی دلہن۔
حمیدہ :- نہیں بتاتے۔ جایئے نا اب جاتے کیوں نہیں۔
شفیق :- کیا بات ہے حمیدہ . . . ہم سمجھ گئے یونہیں بک رہی ہو۔
حمیدہ :- سچ کہتی ہوں بس آتی ہی ہوں گی۔
شفیق :- اُ . . . اچھا ہوگا۔ امی جان آرہی ہیں سنو۔ دیکھو بھئی حمیدہ کل ہم جا رہے ہیں دورے پر۔ بھئی دیکھو کالی والی ہوئیں تو ہم نہیں کریں گے ہاں۔
حمیدہ :- واہ کالی کیوں ہوگی۔ کالی ہوگی تو ہم دوسری چاندی ڈھونڈ لائیں گے۔ اور کیا اماں جان آرہی ہیں۔ آپ اپنے کمرے میں بیٹھئے میں آپ

کو بتا دوں گی۔ جیسے ہی چھمی خالہ آئیں گی۔

شفیق :۔ دیکھو زیادہ دیر نہ لگانا۔ مجھے کام سے جانا ہے۔ (جاتا ہے)

امّاں :۔ کیا کہتا تھا شفیق۔

حمیدہ :۔ یہ کہہ رہے تھے۔ کہ کالی ہوئی تو ہم نہیں کریں گے۔ واہ بھلا ہماری بھابی کالی کیوں ہونے لگی۔ . . . .

امّاں :۔ اونھ۔ تجھے کالی پیلی کی پڑی ہے۔ اور میں کہتی ہوں نقشہ ہو ——

حمیدہ :۔ ہاں نقشہ بھی۔ ویسا روشن جیسا ہو تو کیا کہنے۔ کیوں اماں۔ اُونھ چھمی خالہ نہ جانے کب آچکیں گی۔

امّاں :۔ اے۔ بس آتی ہی ہوں گی۔ صبح کی گئی ہیں۔

حمیدہ :۔ اُونھ دل پھڑک رہا ہے۔ کہ نہ جانے کیسی ہو گی دلہن ؟

امّاں :۔ اے بیٹی تو تڑپی کیوں جاؤ ہو۔ جیسی ہو گی۔ وہ ذرا سی دیر میں معلوم ہوا جاتا ہے۔ چھمی آئی۔ اور ایسی تصویر سی کھینچ دے گی۔ اللہ جانے۔ اسی لئے تو میں نے چھمی کو بھیجا۔ کہ شفیق کو تسلی ہو جائے گی۔ دیکھ تو میں بھی آتی۔ پر جو بات چھمی میں ہے۔ وہ مجھ میں کہاں . . . .

حمیدہ :۔ پر کتنی دیر تو ہو گئی۔ بھئی ہم تو یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آنکھیں کیسی ہیں۔ اللہ کرے صبوحی جیسی ہوں۔

امّاں :۔ خاک پڑے تمہاری صبوحی پہ۔ ذرا ہانڈی تو دیکھ آئیں۔ اے میں جانوں آگئی چھمی۔ ذرا دیکھو حمیدہ۔

حمیدہ :۔ آہا۔ ہا۔ آگئیں چھمی خالہ . . خالہ بی . . . خالہ بی . . .

کیسی ہے دلہن کی صورت ؟

(چھمی خالہ ایسے آتی ہیں۔ گویا چھکڑا گھسیٹ کر آئی ہیں۔
بُری طرح ہانپ رہی ہیں۔۔۔۔)

چھمی :۔ اُوئی بچی۔ پیر تلے رکھتے دیر نہیں ہوئی۔ اور۔۔۔۔ اے ہے آپا
بس مر گئی۔۔۔ نگوڑی گرمی سی گرمی ہے۔۔۔۔۔

حمیدہ :۔ گوری ہے نا خالہ بی۔

خالہ :۔ خاک پڑے خالہ مُردی کی صورت پہ۔ اے بچی چھری تلے دم تو لینے
دے۔

امّاں :۔ بیٹھو چھمی۔۔۔ بیٹی حمیدہ ذرا پنکھا کرو خالہ کو۔۔۔۔۔

حمیدہ :۔ خالہ بی آنکھیں۔ آنکھیں۔۔۔۔

خالہ :۔ اُوئی تو تو سچ مچ دیوانی ہو گئی۔ اے دکھتی ہو آپا۔ اللہ مارا سانس
تو پورا سماتا نہیں۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اے یہ نہیں ہوتا۔ کہ دو بوند
پانی حلق میں چوا دے۔ سچ کہتی ہوں آپا تالو تڑخ گیا۔۔۔۔

اماں :۔ ہاں بہت ہی گرمی ہے بھئی ذرا سا شربت گھول دے خالہ کے لئے۔

حمیدہ :۔ اُونھ۔۔۔۔ گرمی۔ گرمی۔۔۔۔ اونھ۔۔۔۔ یہ نہیں
بتائیں کہ۔۔۔۔

خالہ :۔ ایں ؟۔ بچی گرمی سی گرمی ہے۔ ایسی گرمی تو اللہ ماری دوزخ میں
بھی نہ ہو گی۔ یہ معلوم ہوتا تھا ڈولی میں جیسے کسی نے کھولتے پانی میں بند
کر کے ڈھکن ڈھک دیا۔ اور آپا اوپر سے اللہ ماری نائن۔ موئی نے

یہ موٹی رضائی ڈال دی۔ یہ نائن تو اللہ قسم کوڑی کام کی نہیں . . . .
باؤلی سڑن . . . .

حمیدہ :۔ لیجئے شربت ۔ ہاں خالہ بی تو . . . .

خالہ :۔ (گھونٹ لے کر) کہو کچھ اور سنے گی کچھ ۔ میں کہتی ہوں ۔ تم وہی اپنی پرانی والی کیوں نہیں بلا لیتیں۔

حمیدہ :۔ کون خالہ بی۔

اماں :۔ اے ہے ۔ کچھ نہیں ۔ نائن کا ذکر ہے ۔ تو کیا امی کو بندو کی بہو کو بلا لوں۔

خالہ :۔ اے چولھے میں جھونکی تھی ۔ جھاڑو پھری بندو کی بہو . . . آپا . . . زمانہ کی چھٹ دوہ ! دوتی وہ . . . . ادہر کی ادہر لگانا اس کا کام ۔ اے تم نے سنا ۔ حرام خور نے اِبّن بھیّا کی دلہن سے کیا لگایا جل کے . . .

حمیدہ :۔ خالہ بی ۔ چھوڑیئے کم بخت نائنوں کے ذکر کو۔ . . .

خالہ :۔ اے بچی ذرا دم تو لے . . ہاں آپا ۔ اُے وہ میں کیا کہہ رہی تھی . . . حمیدہ کتنی دفعہ کہا ۔ بیٹی بیچ میں یوں نہیں ٹپکا کرتے۔

اے کیا مزے کی بات کہہ رہی تھی ۔ خاک پڑے چینے کو۔ اس نزلے نے تو کام کا نہیں رکھا ۔ کیا مجال جو کوئی بات یاد رہ جائے . . .

حمیدہ :۔ وہ نائن کا ذکر تھا ۔ مگر میں کہتی ہوں ۔ کہ خالہ بی بتایئے نا . . . .

خالہ :۔ نہیں سنتیں ۔ ہاں نائن ۔ خدا سمجھے اس سے ۔ میں نے کہا ۔ اللہ کی بندی

یہ اُودی چھینٹ کے پائجامے ہیں سرخ مغزی - ؟ - اے کچھ تیرا دماغ چل گیا ہے - مگر آپا میری - یہ بیچ ذات کپڑا پہننا کیا جانیں - وہ تو کچھ (دور سے آواز آتی ہے)

شفیق :- حمیدہ . . . . . ارے حمیدہ . . . .

حمیدہ :- آئی بھیا . . . (جاتی ہے)

شفیق :- کیوں کیسی ہے - کچھ بتایا . . . .

حمیدہ :- بس ذرا ٹھہریئے - ابھی بتاتیں ہیں . . .

شفیق :- اُونھ . . . تو میں جا رہا ہوں . . . .

حمیدہ :- (واپس جاتی ہے) ابھی بس دو منٹ میں (واپس جاتی ہے - تو خالہ کہہ رہی ہے)

خالہ :- اُے انہیں اس کی کیا پرواہ -

حمیدہ :- خالہ بی - ہاں تو کیسی ہے دلہن - اچھی ہیں کیوں نہیں لے گئیں . . .

خالہ :- لو اور سنو . . . جی ! . . . . آپا یہ تمہاری لاڈلی تو بس (نقل کرکے) ہمیں کیوں نہیں لے گئیں . . . . اے کچھ دماغ تو نہیں چل گیا - کنواری بالیاں کہیں گھر گھر کدکڑے لگاتی پھرتی ہیں - خیر سے اب ننھی تو ہو نہیں تم - جو گھروں میں جھنکایا جائے - اللہ رکھے اب بیاہ شادی کے دن ہیں . . . .

حمیدہ :- تو خالہ بی - خیر جانے دیجئے - یہ بتایئے - کہ ہماری بھابی کیسی ہے پسند آئی آپ کو . . . . ؟

خالہ :- اُے اللہ جانتا ہے سچ مچ تو دیوانی ہے۔ پرائی بچی کو شادی سے پہلے ہی بھابی بنا لیا۔ واہ یہ تو وہی بُو الصیبن کی سی مثل ہو گی کہ۔ ۔

حمیدہ :- اچھی خالہ بی۔ بتایئے نا آخر۔ آپ نے دلہن کو دیکھا تو۔ ۔ ۔ ۔

خالہ :- اے دیکھا نہیں تو پھر گئی کیوں تھی۔ بیٹھے بٹھائے بچی مجھے باؤلے کتے نے تو کاٹا نہیں تھا۔ کہ چلچلاتی دھوپ میں دو کوس ٹپ ٹوٹیاں مارتی جاتی۔ تمہارے خالو موٹر گاڑی تو چھوڑ نہیں گئے کہ مزے سے فراٹے بھرتے چلے جاتے۔ ۔ ۔ ۔ یہ مُوا ننددو کہار ایک حرام خور ہے۔ پیارول پٹیا۔ یوں یوں کولھے مٹکاتا چلتا ہے۔ کہ آپا تمہیں کیا بتاؤں۔ اللہ قسم جوڑ جوڑ ہل گیا۔ ارے بہتیرا کہتی ہوں ۔ ۔ ۔ مری پیٹے ہولے ہولے۔ اے وہ یاد ہے آپا۔ جب ہم چھوٹی چھوٹی تھیں۔ تو ماموں میاں جی کے ہاں جایا کرتی تھیں — بھولا کہار تھا۔ ۔ ۔ ۔ اے کیا رساں رساں لے جایا کرتا تھا۔ کہ بس نیند آ جائے۔ یہ نہیں کہ جیسے جامنوں کی طرح جھکول کے رکھ دیا۔ اور پھر دھوپ۔ چہ چہ۔ بڑا بول نہیں بولتی۔ اِتنا پھر بھی کہوں گی کہ۔

حمیدہ :- اُونھ۔ تو بھی یہ بتایئے نا کہ پھر آپ نے دلہن دیکھی۔ اچھی لگی — گدرہی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

خالہ :- اُے تو بتاتی ہوں۔ آپا ذرا ایک ٹکڑا پان کا دینا۔ بس بس بہت ہے۔ اے آپا کیا بتاؤں۔ ایسے کرارے پان تھے تمہاری سمدھن نے کھلائے کہ جی خوش ہو گیا۔ میں تو یہی سوچتی رہی۔ ۔ ۔ ۔

شفیق :- حمیدہ، بات سنو۔

حمیدہ :- اچھا بھیا۔ (جاتی ہے۔ اور شفیق سے کہتی ہے) بھیا۔ بس نہ جانے کیا کم بخت کہاروں اور نائنوں کا ذکر کر رہی ہیں . . . بس آپ ذرا ٹھہریئے . . . .

شفیق :- ہم جا رہے ہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔

حمیدہ :- اچھا بھائی میرے بس ذرا . . . ہاں؟ - (جاتی ہے)

اماں :- اُے ہے۔ گرمی کہ بیٹے جا رہی ہو۔ میں کہتی ہوں۔ یہ تو بتاؤ۔ کیا کیا خاطر ہوئی۔

خالہ :- اونہوں۔ سارا منہ کٹ کے رہ گیا۔ خی تھو۔ خی ذرا سا چونا دے۔ نہیں وہ اللہ مارا کتھا۔ میّت پڑے میری عقل کو . . . .

اماں :- ہاں تو پھول پانی بھی ہوا . . . ؟

خالہ :- اُے لو۔ ہوتا کیسے نہیں۔ تم سنتی تو جاؤ۔ خیر خدا خدا کرکے ڈولی پہنچی۔ کہار چلائے۔ بڑے مرزا صاحب کے یہاں سے سواریاں آئی ہیں۔ اے ہے اب میں چپ۔ بدذات کہیں کا۔ یہ تجھ سے کس نے کہا تھا۔ کہ کلاّ پھاڑ کے چیخ مار کر . . . . آخر آپا جب اللہ رکھے بات چیت ہو رہی ہے۔ تو پھر بھلا۔ بیٹی ذرا اگالدان دیجو۔ موئی کیا کڑوی نیم پیک ہے۔ پخ تھو . . . (پیک تھوکتی نہیں)

حمیدہ :- ہائے اللہ یہ نہیں کہ ذرا دلہن کا بھی ذکر کریں۔

خالہ :- خیر بھئی اب آدھ گھنٹہ لگ گیا۔ سامنے چبوترے کے نیچے موگرہ

لدا کھڑا تھا۔ ایسا میرا جی لوٹا۔ کہ اے کوئی پکّی پکّی چار کلیاں توڑ دے۔ تم جانتی ہو آپا۔ مجھے بھر بھر کے پھول پہننا اچھا نہیں لگتا۔ مؤا طباق سامنہ لگنے لگتا ہے۔ اللہ بخشے تمہارے بہنوئی سے ہمیشہ اسی بات پہ چلی (حمیدہ ہائے اللہ کہتی ہے) کہ پھول پہنتی ہو تو ڈھنگ سے پہنو۔ یہ کیا دو دو کلیاں ہلگا لیں۔ مگر آپا بھئی مجھ سے تو نہ کبھی کانوں میں گٹھڑیاں باندھی گئیں۔ اور نہ باندھی جائیں۔ کیوں کیا رائے ہے تمہاری۔ ۔ ۔ ۔ ؟

اماں :- ہاں مگر پھر بتاؤ۔ کہ اتریں تو۔ ۔ ۔ ۔ ؟

خالہ :- ایلو۔ اترتی کیسے نہیں۔ معلوم ہے کون سے دروازے سے اتری۔ بیٹھک والے سے۔ جی۔ ۔ ۔ ۔ ناہن میں نے تو کہہ دیا۔ کہ ڈھال پہ اللہ مارے کہار کیسے چڑھیں گے۔ اے تم ہی بتاؤ۔ یہ مؤا ڈیل اور یہ نفقتے کہار۔ ہاں بھولا گی اور بات تھی۔ اے آپا یاد ہے۔ مجھے تمہیں اور سنجھو کو لے کے کیا چھپا چھپ گھٹیا والی چچی کے یہاں لے جاتے تھے۔ دوسرے بہن وہ موریاں اس دروازے کی کہ اللہ تیری پناہ۔ اے اگر وہ کہتیں بھی۔ کہ ڈیوڑھی والے دروازے پر پردہ ہے۔ ادہر سے اتر آؤ۔ ۔ ۔ ۔ تو بندی تو لوٹ آتی ہاں آپا سچ کہتی ہوں اور وہ تو سناتی سمدھن کو کہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حمیدہ :- ہنہ۔ میں نے جو ابھی بھابی کہا تھا۔ تو ڈانٹ رہی تھیں۔ اور خود جب سے سمدھن سمدھن کئے جا رہی ہیں۔ تو کچھ نہیں۔ مگر یہ تو بتایئے

کہ . . . .

خالہ :۔ اے ہے حمیدہ بیٹی لو زبان نوچ لو۔ ہاں کہ بولنا قسمت (شاید قیامت میں نے صرف سنا ہے معنی نہیں معلوم) کر دیا ہے

حمیدہ :۔ ہنک ہنک بھئی خالہ بی تو۔ . . . (شفیق پکارتا ہے۔ ذرا ڈانٹ کر) آئی بھیا۔

خالہ :۔ اے میں کہتی ہوں . . . . (سوں سوں سونگھتی ہیں) اے ہے یہ ہانڈی کہاں جل رہی ہے ——————

حمیدہ :۔ اے ہے بھول آئی۔ اچھی خالہ بی ابھی آئی . . . . میں جاؤں تب بتائیے گا۔ کہ دلہن کیسی ہے . . . آئی بھیا . . . (شفیق سے)

حمیدہ :۔ بھیا —— نہ جانے کیا بکے جا رہی ہیں۔ ایک بات بھی نہیں بتائی دلہن کی وہ کم بخت نہ جانے کس کا رونا رو رہی ہیں . . . .

(جلدی جلدی ہانڈی چلاتی ہے)

شفیق :۔ لاحول ولا قوۃ۔ یعنی۔ چہ۔

حمیدہ :۔ اچھی میرے بھیا بس ذرا سی دیر اور —— اتنے میں آپ اخبار دیکھئے۔

شفیق :۔ ارے اخبار تو تین دفعہ پڑھ چکا —— بئی۔

حمیدہ :۔ آپ کو میری قسم بس ذرا دیر۔ (بھاگتی ہے جب آتی ہے تو خالہ بی کہہ رہی ہیں)

خالہ :۔ ہاں تو یہ طریقے ہیں بڑے گھرانوں کے یہ تھوڑا ہی کہ بس تو چل میں آیا۔

حمیدہ :۔ ہائے اللہ خالہ بی ہم نہیں بتی ہمیں پھر سے بتائیے۔

خالہ :۔ نہیں بتی تمہارے سننے کی بات نہیں ہے۔

حمیدہ :۔ کیوں۔ کیوں بتی آخر۔ بتائیے نا آنکھیں تو بڑی بڑی ہیں ہم نے اور نوری نے شرط لگائی ہے کہ دلہن کی آنکھیں بڑی ہیں۔ کیوں خالہ بی آنکھیں بڑی ہیں نا؟

خالہ :۔ اے بیٹی اُلٹی سیدھی تو ہانکو نہیں۔ ہاں تو آپا پھر چادریں رکھیں۔ لے پھر میرا جی تلملایا کہ جھٹ سے چار پانچ کلیاں توڑلوں پھر میں نے کہا سمدھن سے کہوں گی وہ اچھی پکی پکی تڑوا دیں گی۔ آخر کو پان پھول ہوں گے ہی —— خیر اللہ اللہ کر کے اُتری ڈولی سے۔ اے ہاں۔ یہ —— یہ دیکھو آپا اللہ قسم ہم تم سے پجامہ رکھوالیں گے اللہ جانے کورا پجامہ تھا۔ ہم تمہارے بیٹے کے لئے ہو دیکھنے گئے تو یہ بڑا سا کھونٹا لگ گیا میرا کلیجہ ہل کے رہ گیا کہ چالیس ہزار کا ٹپا۔ اے آپا اندھیرا ہے کہ نہیں اس دن ٹپا لینے گئی تو سوا روپے گز اور موا چھتّا گتّے کا کفن۔

حمیدہ :۔ ہوں چاہے گتے کفن پہنتے نہ ہوں۔ گو۔

خالہ :۔ (نہیں سنتیں) اب میں نے جھاڑو پھرے بزاز کے منہ پر مارا —— سوا روپیہ گز تو اچھا خاصہ تنا موآتا تھا۔ میں نے رابعہ کے چلّے پہ جوڑا بنایا تھا تو سوا سات روپے میں پجامہ پڑا تھا۔ اور اللہ قسم یہ موٹا روٹی سا کپڑا اور اب۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اماں :- اے چھمی سچ کہتے ہیں تیرے دولہا بھائی کہ ایک بات کرے گی تو ہزار پھلجڑیاں لگائے گی۔ اے ہاں نہیں تو، بتا، بھی ٹیک کہ نگوڑی لونڈیا گھنٹہ بھر سے منہ تک رہی ہے۔

چھمّی :- اے ہاں آپا۔ سنتی جاؤ—— چہ—— وہ—— اے وہی اللہ ماری کیا ہوتی ہے۔ وہ . . . وہ . . . . (نہیں یاد آتا——)

حمیدہ :- ہم کہتے ہیں خالہ بی—— اچھا بتائیے بال لمبے ہیں ناسلمہ باجی جیسے۔ اچھن آپا کہتی ہیں کہ نہیں۔

خالہ :- اے تمہاری اچھن آپا بڑی سیّدانی ہیں کہ دیکھا نہ بھالا اور بلبلانے لگیں۔ نفرت ہے مجھے اچھن سے—— سدا کی اترونی اے آپا وہ کرن پھول جھمکے کیا مسکس نے چڑھا دئے کے پٹی تلے پیر نہیں دھرتیں اور موئے وہ ہیں کس کرم کے۔ کھوکھلی مچھلیاں اور نگوڑے چھچھورے . . . . مجھے تو پھوٹی آنکھ نہیں بھاتے۔

حمیدہ :- تو سلمہ باجی جیسے بال ہیں نا۔ اور کیسی ہے۔

خالہ :- اے میں کہتی ہوں آپا یہ سلمہ کے ایسے کیا لمبے بال ہیں۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کسی زمانہ میں ہماری آپا کے ایسے بال تھے کہ کیا بتائیے گز بھر سے تو کیا کم ہوں گے۔ کیوں آپا؟

اماں :- اے ہٹ۔ تو تو بس اندھیر کرتی ہے۔ میری چٹیا نگوڑی سدا کی چوہے کی دم ہزار جتن کئے پر نہ بڑھے۔

خالہ :۔ اے ہاں خاک پڑے میری یاد کو سچ کہتی، نزلے نے توڑ بو دیا۔ ہاں تو وہ منجھلی آپا کے تھے اللہ بخشے کیا بال تھے۔ جب دھوتی تھیں تو مونڈھے پر بیٹھ کر دھوتی تھیں اور پھر بھی گز گز بھر زمین پہ رُکتے تھے۔

اماں :۔ اے ہے چھمی اندھیر کرتی ہے۔ اے نگوڑی منجھلی سدا کی روگی۔ اس بچاری کے بال ہی کب ہوئے۔

خالہ :۔ اے سچ تو ہے اے آپا کیا ہو گیا ہے یہ مجھے؟ —— ہاں لو یاد آیا کہ بہتیرا علاج کیا اماں نے سانپ کی بانبی کی مٹی تک منگائی مگر خاک بجو بڑھے ہوں۔ اے یہ ہمارے لوگوں کے بال خاندانی اجڑے ہوئے ہیں۔ ابا خدا بخشے سدا کے گنجے۔ خی۔

اماں :۔ نوج ہوتے گنجے اے دماغی کام کرنے سے بال سبھی کے اڑ جاتے ہیں۔

چھمی خالہ :۔ ہاں، پر بی کچھ بھی ہو ہمارے تو بال ایسے ہی رہے۔ اور سچی بات ہے وہی اپنا سرسوں کا تیل اور کھلی السی سے دھویا۔ یہ مارے گئے . . . . . انگریزی تیل چھچھوندر کی بو کے اللہ جانتا ہے میری تو اس دن اسحاق کی دلہن ذرا دیر کو آن بیٹھیں تو ناک سڑ کے رہ گئی۔ میں نے تو کہہ دیا۔ بُوا ——

حمیدہ :۔ اللہ —— بتائیے نا۔ کہ دلہن کو دیکھا؟ پسند آئی آپ کو؟

خالہ :۔ بچی میری اتے ہی تو انہوں نے مجھے دلہن دکھا نہیں دی۔ اور نہ میں ایسی دِوانی کہ مچل جاتی کہ دکھاؤ دلہن۔ دکھاؤ دلہن۔

حمیدہ :۔ جبھی تو ہم کہتے تھے۔ کہ اس سے ہم چلے جاتے شفیق بھیا نے بھی کہا تھا۔

خالہ :- (طنز سے) تو بنو میری اب چلی جاؤ۔ اور اپنی میّا کو بھی ساتھ لے جاؤ۔

خی ——— اور کیا ——— اور دیکھ آئیں تو بندی ناک کٹوا دے ———

اماں :- چپ رہ حمیدہ اچھا تو پھر ———— ؟

حمیدہ :- گھنٹہ بھر ہو گیا ——— ایک بات بھی دلہن کی نہیں بتائی۔ سارا دن تو انتظار ہیں مرتے رہے۔ اور —————

خالہ :- تم سارا دن مرتی رہیں۔ بیٹی تو ہم بھی بھری دوپہریا میں گلی ڈنڈا کھیلنے نہیں گئے تھے۔ لڑکی ہی دیکھنے گئے تھے۔ اور بی یہ کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے۔ کوئی گرے پڑے خاندان کی لڑکی ہو تو اور بات تھی۔ پر۔

حمیدہ :- واہ ہم تو کہہ دیتے کہ بی ہم تو لڑکی دیکھنا چاہتے ہیں!

خالہ :- ہاں بچی تیرا کیا ہے تو تو چھاتی پہ چڑھ بیٹھتی کہ دکھاؤ اپنی لڑکی نہیں تو ——— دا بتی ہو لی ٹنڈرا ——— سو بچی نہ یہاں اتّا بوتا اور نہ اماں باوا نے پہلوانی سکھائی ہاں اور کیا —————

اماں :- اے چھمی تو بگڑنے کی کیا بات ہے۔ میرے جی میں بھی کھد بد ہو رہی ہے۔ اگر تمہیں لڑکی پسند آ گئی تو بس میرے شفیق کو بھی آ جائے گی۔ مگر تم بتا چکو جب نا۔

شفیق :- حمیدہ - ذرا ایک بات سنو۔

حمیدہ :- آئی بھیّا ——— ذرا چائے لے آؤں آپ کے لئے۔ ہاں خالہ بی تو آپ کو پسند ہے ؟

خالہ :- میں کہتی ہوں اتر کے سیدھی تو آئی دالان ہیں۔ پہلے سمدھن ملیں وہ

صوفیانہ پیازی دوپٹہ ـــــ اے آپا کیا چھینٹ تھی پجامے کی کہ بس میں تو دیکھتی ہی رہ گئی جیسے مکھن اور یہ ڈھٹ کی ڈھٹ ـــــ دلّی سے منگائی تھی ـــــ اب کہاں ملی جائے ہے۔ یہ نگوڑی لڑائی نے ساری چیزیں . . . .

اماں :- اُونھ ـــــ ہاں تو ؟ اسے چھوڑو سمدھن کو ـــــ پھر

خالہ :- اے آپا تمہاری سمدھن تو بس اللہ میاں کی گائے بچھی جاتی تھیں کہ قالین پر بیٹھو اور میں کہوں آپ بزرگ ہیں آپ بیٹھئے پھر میں۔ اور سچ تو ہے آپا آج کل اللہ مارے قالین پہ بیٹھا کس سے جائے ہے جیسے جلتے توے پہ بیٹھ گئے اور وہ بھی اونی قالین ـــــ میرے تو دیکھ کے ہی آبلے پڑنے لگے۔ خیر میں تو چاندنی پہ کھسک آئی۔ اے تم ہی بتاؤ کہ آخر ـــــ خی . . . .

حمیدہ :- تو پھر دلہن کو لائیں وہ لوگ ـــــ کیسی ہے خالہ بی ؟

خالہ :- نہیں بی ابھی کہاں دلہن کو لائیں۔ پہلے تو ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں تب میں نے موقعہ پا کر ایسے کہا کہ چپ رہ گئیں۔ پہلے تو بولیں کیا دیکھو گی ایسی ہی ہے اپنی بہنوں جیسی۔

حمیدہ :- بہنیں کیسی ہیں ؟ اچھی ہیں خالہ بی ؟

خالہ :- اچھی خاک نہیں ـــــ ایک تو نگوڑی بیچاسی اور اس پہ اودا دوپٹہ ـــــ جی لوٹ گیا میرا تو ـــــ

حمیدہ :- خیر ہوگی ـــــ ہمیں اس سے ـــــ وہ دلہن ـــــ

خالہ :- اور دوسری کا منہ، ڈونگے کی وضع کا ——

حمیدہ :- اُونھ - بھلا یہ ڈونگے کی وضع کے منہ سے کیا کوئی سمجھے - دلہن بتائیے -

خالہ :- اے ہے حمیدہ کان کھا گئی - کائیں کائیں ایک صاں کان پہ کئے جا رہی ہے - کہتی جاتی ہوں کہ بڑی مشکل سے تو لڑکی دکھانے پہ راضی ہوئیں - کہنے لگیں اچھا پہلے ناشتہ کر لیجئے پھر لڑکی بھی دکھا دی جائے گی -

حمیدہ :- تو پھر دکھائی ؟

خالہ :- ناشتہ تھا آپا کہ پورا دسترخوان پٹا پڑا تھا - دال بھری پوریاں، شامی کباب، آلو میتھی کی بھجیا —— وہ مرچیں تھیں آپا کہ بس کیا بتاؤں - آلو بھی ذرا کچے رہ گئے تھے -

حمیدہ :- اُونھ بی -

خالہ :- امرتیاں، گلاب جامن، موتی چور کے لڈو - میں نے تو بس چکھ چکھ کے چھوڑ دیئے - بیٹی ذرا اگلدان دیجیو - (تھوکتی ہیں) مؤا پان ہے کہ پیپل کا پتہ —— توبہ ——

حمیدہ :- ہاں تو پھر ناشتہ کے بعد -

خالہ :- ہاں تو ناشتہ پہ نمک پارے اچھے تھے اور خرمیاں تو آپا بالکل ویسی تھیں جیسی سلمہ کی منگنی پہ آئی تھیں -

اماں :- (جل کر) اے خاک سلمہ کی منگنی پر لڈو بٹے تھے کہ خرمیاں - اچھن کی کہو -

خالہ :- ہاں اچھن کی منگنی پہ پھٹکی پڑے میری بھول پہ ہاں تو میں نے دکان کا پتہ

پوچھ لیا ہے۔

اماں :۔ دکان کا پتہ ؟

خالہ :۔ ہاں اور کیا —— اور بندی نے یوں تھوڑی پوچھا بڑی حکمت سے پوچھا۔ کہو کیسے ؟

حمیدہ :۔ بی ہمیں دکان وکان کا پتہ نہیں چاہئے ہمیں تو دلہن کی صورت . . . .

خالہ :۔ خاک پڑے تمہاری جلدی پہ کہ زبان کاٹے لیتی ہو۔ بیٹی یہ گن کنواری لڑکیوں کے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

حمیدہ :۔ ہونے دیجئے ہمارے گن —— یہ بتائیے دلہن کیسی ہے ؟

اماں :۔ چپ رہ حمیدہ ۔ ہاں چھمّی اب تو خدا کے لئے چولہے میں ڈال ان خرمیوں کو اور بھاڑ میں گئی دکان ۔

خالہ :۔ (برا مان کر) اے تو آپا میں نے تو تمہارے ہی بھلے کو خرمیوں کا پتہ پوچھ لیا۔ اب اللہ رکھے منگنی کرو گی تو کچھ لے جانا نہ پڑے گا؟ اللہ قسم کہتی ہیں پانچ من تو معلوم بھی نہ ہو گی ماشاءاللہ لمبا چوڑا کنبہ ہے سسرال میکہ اور پکس پڑوس سات من سے کم نہ لیں گی ۔ میں نے کہا بیوی ہم کوئی چھچھورے ہیں کہ خرمیوں کے لئے وہ کریں ۔

حمیدہ :۔ آگ لگ جائے ان خرمیوں کو، ہاں نہیں تو ۔

خالہ :۔ آگ لگ جائے تیری زبان کو کہ —— واہ مجھے کیا سمجھا ہے ۔ واہ

حمیدہ :۔ تو جب سے خرمیوں کا رونا روئے جا رہی ہیں یہ نہیں بتاتیں کہ دلہن کیسی ہے ۔

خالہ :- جانہیں بتاتے - کچھ تیرا دیا کھاتے ہیں - لو اور سنو بڑی آئی وہاں سے دلہن کی چہیتی کہ بات نہیں کرنے دیتی -

اماں :- اے سچ تو ہے گھنٹہ بھر سے میرا تو جی بھی لوٹ گیا -

خالہ :- آپا تم بھی اس فتنی کی طرف داری کر رہی ہو - واہ - واہ - واہ

حمیدہ :- اس میں طرف داری کی کیا بات ہے - ذرا سی بات ہے اور آپ بتا ہی نہیں چکتیں کئی دفعہ شفن بھیا کو روک کر آئی ہوں وہ جانے کو بیٹھے ہیں - اور آپ ہیں کہ کبھی ڈولی کا رونا تو کبھی ناشتہ، تو کبھی خرمیاں -

خالہ :- (بہت بگڑ کر) اب دیکھ تو آپا ٹانگ برابر کی چھوکری میرے منہ، لگ رہی ہے - واہ -

اماں :- ارے پھر تم بھی تو اندھیر مچا رہی ہو - چپ رہ ری حمیدہ!

حمیدہ :- لے کے دماغ ہلا دیا ہاں نہیں تو ——

خالہ :- آئی بڑی دماغ کی سگی - لو ہم کل کی لونڈیا کی جوتیاں سہیں گی سلام ہے بابا اس کنبے کو - اللہ مرے جیٹھ دیور کو سلامت رکھے کوئی تمہاری روٹیوں پر نہیں پڑی ہوں اور اماں جان شہ دے رہی ہیں صاحبزادی کو ——

اماں :- اے چھمی ناحق غصہ ہو رہی ہے تو —— سن تو -

خالہ :- (جانے لگتی ہے) بس بس سن لیا - کیا اور کچھ کسر باقی رہ گئی ہے، کیا سمجھا ہے مجھے (روہانسی ہو جاتی ہیں) سلام آپا تمہارے گھر میں قدم بھی رکھوں تو چھمی نہیں بھنگن کہنا - ابھی تو باتیں ہی سنی ہیں آگے نہ جانے کیا لکھا ہے

قسمت ہیں ———

اماں :۔ لے چھمی تجھے میری قسم ۔ میرا ہی مرا منہ دیکھے ۔ بس تو ۔

خالہ :۔ نہیں بی میں ایسی گری پڑی نہیں ۔ جو جس کا جی چاہے کہہ لے ۔

اماں :۔ اے چھمی ۔ چھمی ۔ اے حمیدہ ۔ روک خالہ کو ۔ دیکھا بگڑ کر چلی گئی بس تو تو بلا ہے ۔

حمیدہ :۔ چلی گئیں تو اچھا ہوا ——— اماں سر گھوم گیا اللہ قسم ——— وہ تو دس برس بھی نہ بتاتیں کہ دلہن کیسی ہے ———

اماں :۔ اے ذرا تو صبر کرتی تو شاید بتا ہی دیتی ۔

حمیدہ :۔ آپ بھی مجھی کو الزام دے دیجئے ۔ ہاں اور کیا ۔ بھیا آئیں گے تو ——— ہائے اللہ ۔

اماں :۔ نہ رو حمیدہ ——— ہم کل خود جا کر دیکھ آئیں گے کہ کیسی ہے دلہن ——— نہ رو بنو . . . . . .

(حمیدہ سسکیوں سے روتی ہے اور اماں دلاسہ دیتی ہیں)

شامتِ اعمال

کردار

سرور -
عباس -
بندو -
ایڈیٹر -
خاتون -
شاعر -
بڑھیا -
شرابی -
انور -
انسپکٹر -

سرور:۔ پھر ٹالے جاتے ہیں۔ بھئی اللہ۔ لاؤ بھی سیدھی طرح۔

عباس:۔ کچھ دماغ خراب ہوا ہے۔ کیا ٹالے جا رہا ہوں؟ کیا لاؤں؟

سرور:۔ میں کہتی ہوں چھوڑو یہ دل لگی۔ دھوبن کی تنخواہ دینی ہے۔ آتی ہوگی ابھی جان کھانے۔ لاؤ ادھر بٹوہ۔

عباس:۔ یہ کیسے معلوم کہ وہ بٹوہ تمہارا ہے؟

سرور:۔ اور کس کا ہے پھر؟

عباس:۔ بٹوہ کا مالک خود ثبوت دے گا۔

سرور:۔ کیا مطلب؟

عباس:۔ مطلب یہ کہ میں نے اخباروں میں اشتہار دے دیا ہے کہ جس کا بٹوہ کھویا ہو وہ آکر حلیہ بتائے اور اپنا بٹوہ لے جائے۔ اگر تمہارا بٹوہ ہے تو اس کا حلیہ۔ کچھ اَتا پتہ ——

سرور:۔ حلیہ کیا وہی بٹوہ ہوگا سیاہ چمڑے کا اوپر ہاتھی کی تصویر بنی ہے کیا میں اپنا بٹوہ بھی نہیں پہچانتی۔

عباس:۔ بالکل غلط وہ بٹوہ جو مجھے ملا ہے سیاہ چمڑے کا نہیں ہے اور نہ

اس پر ہاتھی کی تصویر۔

سرور :۔ تو پھر وہ لال پرس ہوگا جو کلکتے سے منگوایا تھا میں نے۔

عباس :۔ جی وہ بھی نہیں۔

سرور :۔ اونھ۔ تو پھر موتیوں والا VANITY BAG ہوگا۔

عباس :۔ (عاجز ہو کر) نہیں بھئی موتیوں ووتیوں کا کچھ نہیں۔ وہ تمہارا بٹوہ نہیں ہے۔

سرور :۔ اوئی آخر تو پھر کس کا ہے۔

عباس :۔ ہوگا کسی کا تمہیں کیوں فکر پڑ گئی۔

سرور :۔ (سوچتی ہے) اے لو بھول ہی گئی تھی چچ ——— اے ہے کیسا بنائے چلے جا رہے ہو ——— اے وہی ——— وہ والا ——— وہی کم بخت وہ سا بٹوہ ہے ———

عباس :۔ کون سا؟

سرور :۔ اے وہی ——— اونھ ——— (یاد نہیں آتا)

عباس :۔ اونھ۔ چھوڑو مردود بٹوے کا قصہ ———

سرور :۔ (یاد آجاتا ہے) وہ جو بھائی جان نے مسز شلنگ کا پیرس سے بھیجا تھا تم نے ہمارے صندوق میں سے نکالا ہوگا ——— بھئی اللہ یہ کیا مذاق ہے لے کے سارے کپڑے کھوند کر ڈال دیئے ہوں گے۔

عباس :۔ چہ اوہو ——— کس کم بخت نے تمہارے صندوق کو ہاتھ لگایا ہے۔ مفت میں جان کھائے جا رہی ہو۔ میں کہتا ہوں تمہارا نہیں ہے بٹوہ

تمہارا نہیں ہے۔

سرور:۔ اوئی تو چلاتے کیوں ہو۔ میں جو اب نام بھی لوں نگوڑ مارے کا۔

عباس:۔ یعنی ایک سرے سے جان ہی کو آ گئیں۔

سرور:۔ تو آخر اس قدر چیخنے کی کیا بات ہے۔

عباس:۔ میں تو نہیں چیختا تم ہی دماغ اڑائے دیتی ہو کوئی بات بھی ہو۔

سرور:۔ ہنہ۔ جب دیکھو ایسے ہی بولیں گے —— (رقت آجاتی ہے)

عباس:۔ چہ چہ بھئی —— ارے سنو تو —— کیا مصیبت ہے —— ارے سرور —— (جیسے نہیں سنتی اور چلی جاتی ہے) (کھٹکھٹانے کی آواز)

عباس:۔ ارے بندو دیکھنا کون ہے۔

بندو:۔ سرکار —— وہ "دلربا" کے ایڈیٹر صاحب ہیں۔

عباس:۔ اچھا —— بلاؤ —— اندر بلاؤ

ایڈیٹر:۔ آداب عرض ہے۔

عباس:۔ آداب عرض —— تشریف رکھئے۔ کہئے صبح صبح کیسے تکلیف کی۔

ایڈیٹر:۔ ارے صاحب کمال کر دیا آپ نے وہ آپ کا مضمون "آبلہ" واللہ حد کر دی آپ نے۔

عباس:۔ اوہ —— شکریہ۔

ایڈیٹر:۔ تو جناب ایک بالکل ویسا ہی پھڑکتا ہوا سنبر کے خاص نمبر کے لئے اور عنایت کیجئے۔

عباس :- مگر —— ویسا ہی ——

ایڈیٹر :- جی بالکل ویسا ہی۔

عباس :- تو پھر وہی جو لے لیجئے۔ ویسا ہی دوسرا لکھنے کی کیا ضرورت۔

ایڈیٹر :- اوہو آپ سمجھتے نہیں۔ میرا مطلب ہے یعنی اس رنگ میں۔ ویسا ہی کوئی نازک معاملہ لے کر اس پر لکھ دیجئے —— دیکھئے ہم آپ کا بڑا پروپیگنڈا کر رہے ہیں ترقی پسند مصنفوں میں آپ کا درجہ سب سے بلند ہے۔

عباس :- اوہ —— شکریہ ——

ایڈیٹر :- اور . . . جی بس یہی عرض کرنے آیا تھا (بھولی بات یاد آگئی) کہ ہاں آپ کو کوئی بٹوہ —— ملا ہے۔ وہ آپ نے اشتہار دیا تھا۔

عباس :- جی ہاں

ایڈیٹر :- (شوق سے) کیسا ہے بٹوہ؟ یعنی کس قسم کا۔

عباس :- جی بس بٹوہ ہے یہی ایک عام قسم کا۔

ایڈیٹر :- یعنی کچھ معلوم تو ہو —— کچھ رقم تو ہوگی اس میں

عباس :- جی اس بٹوے کا حلیہ اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب میرے پاس محفوظ ہے۔

ایڈیٹر :- یعنی —— یعنی کہ ——

عباس :- —— میرا مطلب ہے میں کسی کو حلیہ بتانا نہیں چاہتا یوں تو ہر آدمی کہہ دے گا کہ میرا ہے بٹوہ۔ اصلی مالک حلیہ بتا کر خود لے جائے گا۔

ایڈیٹر :- کمال کرتے ہیں آپ بھی - صاحب یعنی آپ لوگوں کو بے ایمان سمجھتے ہیں آخر معلوم تو ہو کہ کیسا ہے بٹوہ - اس لئے پوچھتا ہوں کہ پار سال نینی تال میں میرا بھی ایک بٹوہ کھو گیا تھا - کافی رقم تھی اس میں ——!

عباس :- مگر مجھے یہ بٹوہ نینی تال میں نہیں بلکہ سوری برادرز کی دکان کے سامنے ملا ہے -

ایڈیٹر :- اوہ —— ہاں —— مگر صاحب ممکن ہے —— یعنی دنیا میں اس قدر عجیب و غریب واقعات ظہور میں آتے ہیں - یعنی یہی دیکھئے کہ میرا سوٹ کیس آگرہ میں کھویا اور ملا کہاں ؟ ذرا پوچھئے تو -

عباس :- یہیں کہیں تو چپا پلی میں ملا ہوگا -

ایڈیٹر :- یعنی کہ آگرہ ہی میں —— اور وہ بھی پورے ایک ماہ کی کوشش کے بعد -

عباس :- جی ہاں ممکن ہے —— مگر ذرا حلیہ تو بتائیے کچھ اس کا اور اس کے اندر جو کچھ ہے -

ایڈیٹر :- کیا اس میں کچھ اشیاء بھی ہیں - یعنی کیا کچھ عجیب و غریب چیزیں ؟

عباس :- جی اب قبلہ وہ کوئی عجائب خانہ تو ہے نہیں —— بٹوہ ہے صرف

ایڈیٹر :- (کھسیانی ہنسی) اوہ —— میرا مطلب ہے یعنی کچھ تو ہوگا ہی —— مثلاً

عباس :- یہی روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ——

ایڈیٹر :- پھر بھی کچھ معلوم تو ہو -

عباس :- میں نے عرض کیا نا جو اصلی مالک ہوگا وہ خود سب کچھ بتا دے گا -

آپ کا بٹوہ کیسا تھا؟

ایڈیٹر:۔ جی ہاں پھر بھی ذرا سوچئے سال بھر کا کھویا ہوا بٹوہ کسی کو کیا یاد رہ سکتا ہے۔

عباس:۔ پھر بھی کچھ تو یاد ہوگا کچھ رنگ وغیرہ بٹوے کا۔

ایڈیٹر:۔ ٹھیک ہے تو یاد نہیں کچھ سیاہی مائل سا یعنی ذرا بھورا سا تھا۔ میرا مطلب ذرا میلا سا ہو گیا تھا۔

عباس:۔ تو پھر یہ آپ کا بٹوہ نہیں۔

ایڈیٹر:۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔

عباس:۔ اس لئے کہ نہ تو وہ سیاہ ہے نہ بھورا سا نہ ذرا میلا سا۔

ایڈیٹر:۔ ارے یعنی تو پھر کیسا ہے۔

عباس:۔ (عاجز) جبھی تو کہتا ہوں کہ آپ کا بٹوہ نہیں۔

ایڈیٹر:۔ مگر قبلہ مجھے یہ کیسے یقین ہو۔

عباس:۔ یہ یقین نہ آئے تو ——— آپ کو شوق سے نہ آئے یقین۔

ایڈیٹر:۔ اور پھر معاف کیجئے گا آپ کے متعلق میرے نجی خیالات کیا ہوں گے۔

عباس:۔ مجھے آپ کے نجی خیالات کی ذرہ بھر پرواہ نہیں۔

ایڈیٹر:۔ آپ میری ہتک کر رہے ہیں۔

عباس:۔ اگر آپ چاہیں ہیں آپ کو بغیر علیہ معلوم کئے بٹوہ دے دوں گا۔ تو یہ آپ کا نہایت غلط خیال ہے۔

ایڈیٹر:۔ آپ ——— آپ سمجھتے ہیں کہ وہ میرا بٹوہ نہیں اور میں ———

عباس :۔ جی سمجھتا ہی نہیں بلکہ یقین ہے مجھے ! ——

ایڈیٹر :۔ عباس صاحب ۔ اور اسی برتے پر آپ امید کرتے ہیں کہ آپ کے
مضامین یعنی میرے اخبار میں شائع ہوں ۔

عباس :۔ لعنت ہے اس پر جو آپ کے اخبار میں مضمون چھپوانے کا ارمان
کرے ۔

ایڈیٹر :۔ آپ میری ہی نہیں ادب کی بھی ہتک کر رہے ہیں ۔

عباس :۔ اور آپ ادب کی ۔ میری اور خود اپنی ہتک کر رہے ہیں ۔

ایڈیٹر :۔ عباس صاحب ! یعنی ——

عباس :۔ ابھی کچھ اور فرمانا ہے ۔ کہیئے ——

ایڈیٹر :۔ آپ —— آپ جانتے ہیں آپ کس سے گفتگو کر رہے ہیں ؟

عباس :۔ جی ۔ شاید —— شاید آپ سے ——

ایڈیٹر :۔ میں میں ۔ یعنی دیکھیے میں نہایت کمینہ آدمی ہوں ۔

عباس :۔ اس میں کیا شک ہے ؟

ایڈیٹر :۔ میں ۔ میں نے صفحۂ ادب سے آپ کا یعنی نام نہ میٹ دیا ہو تو ۔

عباس :۔ بجا ارشاد ہے ۔ آپ کی ادبی قابلیت تو آپ کے لب و لہجہ اور
طرز بیان سے ظاہر ہو رہی —— دماغ پریشان کر دیا ۔ بندو
چائے لاؤ ۔

ایڈیٹر :۔ عریاں نگار زمانے بھر کے یعنی مخرب اخلاق . . . آپ نوجوانوں
کے جذبات کو گمراہ کر کے ان کو تباہ کرنے کے سوا . . .

عباس :- بندو چائے لاؤ۔

ایڈیٹر :- معاف کیجئے۔ یعنی میں ایسے فضول شخص کے یہاں چائے نہیں پیا کرتا۔

عباس :- بھلا اس غلط فہمی کا کیا علاج۔ میں نے تو اپنے لئے منگائی ہے قبلہ! بندو چائے لے آؤ۔ اور ایڈیٹر صاحب کو لے جاؤ۔

ایڈیٹر :- آپ آپ . . . خیر دیکھئے گا۔ (ایڈیٹر صاحب جاتے ہیں۔ ٹکرا جاتے ہیں)

ایڈیٹر :- اوہ۔ معاف کیجئے گا۔ یعنی آپ سامنے تشریف

خاتون :- دیکھ کر نہیں چلتے۔ وحشی!

ایڈیٹر :- محترمہ۔ یعنی۔

خاتون :- بکواس مت کرو۔ شریف خاتون سے ٹکرانا ——

ایڈیٹر :- ہیں۔ اوہ، یعنی (چلے جاتے ہیں)

خاتون :- (آکر) آداب عرض . . . . یہ کون وحشی تھا۔

عباس :- اوہ —— وہ۔ آپ کے چوٹ تو نہیں لگی۔

خاتون :- جی نہیں۔ شکریہ۔ بڑا کرم فرمایا جناب نے۔ جہ کیسے کیسے وحشی آباد ہیں دنیا میں۔

عباس :- جی ہاں . . . . دیکھئے نا۔

خاتون :- اور ہائے یہ میں نے کیا کہا اسے۔ وحشی کہہ دیا۔ جس کی مجھے بالکل عادت نہیں۔ اور شدت احساس کی وجہ سے میں اب تک بید مجنوں کی طرح کانپ رہی ہوں۔

عباس :- اچھا کیا آپ نے اسے وحشی کہا۔ میرا جی خوش ہو گیا۔ مگر میں نے۔ معاف کیجئے گا شاید آپ کو پہچانا نہیں۔

خاتون :- شاید کیا یقین۔ آپ مجھے نہیں پہچان سکتے۔

عباس :- جی . . . جی - اسے بند و سگریٹ۔

خاتون :- (ذرا بگڑ کر) اوہ آپ مجھے نہیں جانتے مجھے عورتوں کی سگریٹ نوشی سے سخت نفرت ہے۔ مجھے یہ فیشن قطعی پسند نہیں۔ ویسے مجھے کوئی فیشن پسند نہیں۔

عباس :- معاف کیجئے گا۔ سگریٹ تو میں نے خود اپنے لئے منگوائی تھی . . . . . . ہیں۔

خاتون :- اوہ - آپ شوق سے سگریٹ پئیں۔ مجھے دوسروں پر اعتراض کرنے کی بالکل عادت نہیں۔ آپ مجھے جانتے نہیں۔ ورنہ ——

(ٹھنڈی سانس)

عباس :- معاف کیجئے گا آپ کچھ۔ فکر مند معلوم ہوتی ہیں۔

خاتون :- کچھ فکر مند؟ آپ اسے "کچھ" کہتے ہیں؟ یعنی میں کافی سے زیادہ فکر مند ہوں۔ بلکہ غم زدہ کہئیے۔ میرے چچا فگار مجھے ہمیشہ حسنِ سوگوار کہا کرتے تھے۔ انہیں وحشت ناک افسانے سننے کا بہت شوق تھا۔ وہ غمگین ڈراموں سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ ان کی سینما ہال میں ہی ہچکی بندھ جایا کرتی تھی۔

عباس :- جی ضرور۔ بندھ جاتی ہوگی۔ فرمائیے کیسے تکلیف فرمائی۔

خاتون :۔ (دہشت زدہ) اوہ ــــ آپ اسے تکلیف کہتے ہیں۔ گو میری پرورش افسانوی دنیا میں ہوئی ہے اور میں موسم گرما کی حسین اور نہکتی ہوئی ہواؤں میں پلی ہوں۔ پھر بھی مجھے ان لوگوں سے سخت نفرت ہے جو ہل کر پانی بھی نہیں پیتے۔ کیوں کیا خیال ہے آپ کا؟

عباس :۔ جی درست فرمایا آپ نے . . . . وہ۔ میرے دفتر کا کچھ عجیب بے ڈھنگا سا وقت ہے۔ تو فرمائیے . . . . . میرے لائق کوئی خدمت۔

خاتون :۔ خدمت۔ اوہ خدا۔ آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں اور اس سے بڑی خدمت کیا دنیا میں ہو سکتی ہے . . . . آپ . . . میری طرح رومان کی آغوش میں نہیں پلے بڑھے ورنہ یہ الفاظ منہ سے نہ نکالتے۔ آپ سے کیا شرم۔ پہلے تحفہ کی کچھ اہمیت تو شاید آپ پر بھی واضح ہو چکی ہو گی۔

عباس :۔ جی میں سمجھا نہیں پہلا تحفہ . . . .

خاتون :۔ جی ہاں . . . کسی کے محبوب کا پہلا اور شاید آخری حسین تحفہ۔ جو ملبی اور خاموش تنہائیوں میں پپیہے کی سریلی کوک کی طرح گونجا کرتا ہے۔ اور آپ تو اب اس کے رازدار بھی ہیں۔

عباس :۔ آ . . . میں . . . سمجھا نہیں۔

خاتون :۔ جب آسمانی ہوائیں سیاہ چادروں کی طرح فضا میں پھڑ پھڑا رہی تھیں۔ ندی کا پانی ریت کی طرح بگولے بن بن کر ناچ رہا تھا۔

اور میں سہوتی اور چنار کے پھولوں کی بھینی مہک سونگھنے وہاں جایا کرتی تھی تو۔ ۔ ۔ اوہ کتنا کمزور تھا میرا دل۔

عباس :- اُ۔ ۔ ۔ کہاں جاتی تھیں محترمہ!

خاتون :- محرابوں والے دریچے کے پاس۔ تو وہاں دھڑکتے ہوئے دلوں کے درمیان دہکتی ہوئی گرم سانسوں سے پژمردہ ہو کر۔ اس نے مجھے پہلا تحفہ دیا۔

عباس :- جی کیا فرمایا آپ نے؟

خاتون :- وہی بٹوہ جو خوش قسمتی سے آپ کو ملا۔ ۔ ۔ اوہ۔ ۔ ۔ ۔

عباس :- اوہ —— ! اچھا ——

خاتون :- ذرا پانی منگوائیے۔ افسانوی دنیا میں رہتے رہتے میرا دل بہت کمزور ہو گیا ہے۔

عباس :- ابھی لیجیے۔ اے بندو۔ ایک گلاس پانی لاؤ۔ آپ معاف کیجیے گا کوئی تازہ صدمہ پہنچا ہے؟

خاتون :- اوہ۔ آپ مجھے نہیں جانتے۔ کوئی صدمہ میرے لئے تازہ ہو ہی نہیں سکتا گو میری عمر زعفران اور ریحان کے پودوں کے درمیان گزری ہے پھر بھی برسوں میرے ہونٹ متبسم نہیں ہوئے۔ اور میری آنکھوں سے ——

عباس :- اُ۔ ۔ ۔ معاف کیجیے گا محترمہ کیا آپ ذرا اختصار سے۔ ۔ ۔ میرا مطلب ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ —— میرا مطلب ہے کہ

. . . . وہ بٹوہ . . . .

خاتون :۔ یہی تو میں آپ کو بتا رہی ہوں ۔ مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کا وقت ضائع کر رہی ہوں ۔

عباس :۔ (جھوٹ) قطعی نہیں ۔ فرمائیے ۔

خاتون :۔ ہاں تو صبح کے وقت اپنی شمالی دریچی کے سامنے بیٹھی اپنی شمعی انگلیوں سے ارغنون بجا رہی تھی میری حسین سہیلی فرقت . . . . یہ اس کا افسانوی نام ہے بیٹھی نقرئی گلدان میں سے گل شبّو کی کلیاں سونگھ رہی تھی . . . . کہ بوڑھا گدھ ——

عباس :۔ جی ؟ گدھ ——

خاتون :۔ ہاں میرا خدمت گار "بوڑھا گدھ" ۔ یہ اس کا افسانوی نام ہے صبح کا اخبار لایا ۔ اس میں میں نے بٹوے کا اشتہار دیکھا ۔ میں نے ضروری سمجھا کہ بجائے سیکرٹری کے میں خود آپ کا شکریہ ادا کرنے جاؤں ۔

عباس :۔ اوہ ۔ آپ نے کیوں تکلیف کی . . . . مگر ۔

خاتون :۔ اور پھر بے کار اتنا روپیہ آپ نے اشتہار پر صرف کیا ۔ بل مجھے دے دیجئے میں خود ادا کروں گی ۔

عباس :۔ مگر محترمہ ۔

خاتون :۔ میں آپ کا کوئی عذر نہیں سنوں گی ۔ آپ کو صرفہ لینا پڑے گا ۔

عباس :۔ مگر محترمہ —— ! میں یہ عرض کر رہا ہوں ۔

خاتون :۔ اوہ ۔ کتنے خلیق ہیں آپ ۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ۔

بٹوہ کھونے کی ساری پریشانی آپ جیسے ادیب سے مل کر دُور ہو گئی۔ وہ مجھے دراصل شرم آ رہی تھی کہ ذرا سے بٹوے کے لئے آپ کو کیوں پریشان کروں۔ بہتر ہے کہ آپ کو فون کر دوں کہ رقم آپ کسی خیراتی فنڈ میں دے دیں۔ یا غریب طالب علموں کو وظیفہ کے طور پر بانٹ دیں اور میرا بٹوہ روانہ فرما دیں۔ لیکن میرے چچا فگار کو آج ہی شام کی گاڑی سے کشمیر کی حسین وادیوں میں لوکاٹ کے پھول کھلتے دیکھنے کے لئے فوراً جانا ہے اور پھر وہاں سے ملابار چلے جائیں گے جہاں سے سمندر کے جھاگوں کا نظارہ کرنا ہے۔ اس لئے۔

عباس :- اوہ سنئے تو محترمہ۔ وہ بٹوہ آپ کا کس وضع کا ہے۔ اس کا حلیہ بتائیے (نرم ہو کر) براہ کرم میرا مطلب۔

خاتون :- ہیں؟ تو کیا آپ نے ابھی تک نہیں دیکھا۔

عباس :- جی میں نے تو دیکھا ہے مگر آپ بھی تو بتائیں کہ کیسا ہے؟ کس قسم کا؟

خاتون :- اوہ۔ اگر میں آپ کو بٹوؤں کی قسمیں بتانے بیٹھوں تو مہینوں میں ختم ہوں۔ یقین کیجئے میں نے ایک خاتون کے پاس بالکل خرگوش کی شکل کا بٹوہ دیکھا۔

عباس :- دیکھا ہو گا مگر آپ کا بٹوہ کیسا تھا۔

خاتون :- میرا بٹوہ؟ میرا بٹوہ بالکل۔ میرا بٹوہ خرگوش نما بالکل نہیں تھا۔

عباس :- اونہوں۔ میرا مطلب ہے رنگ وغیرہ اس کا کیا تھا۔

خاتون :- (آہ بھر کر) یہی تو مشکل ہے کہ آپ مجھے نہیں جانتے۔ میرا بچپن گل مہر کے پھولوں کے سائے میں گزرا ہے۔ اسی وجہ سے میں کلر بلائنڈ ہوں۔ یہاں تک حد ہو گئی ہے کہ میں بار ہا زرد ساڑی کے ساتھ کتھئی جمپر اور دھانی ساڑی کے ساتھ اودا بلاؤز پہن چکی ہوں جب کبھی دعوت ہوتی تھی میری چچی ناہید تمام شب اسی پریشانی میں جاگا کرتی تھیں کہ کہیں میں بے میل لباس کے ساتھ . . . .

عباس :- تو . . . تو ایسی صورت میں محترمہ مجھے افسوس ہے کہ . . . .

خاتون :- افسوس تو میرے لئے ہر شریف آدمی کو ہونا ہی چاہئے۔ میری پرورش . . . . .

عباس :- (بات کاٹ کر) تو مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بٹوے کے متعلق کچھ بھی یاد نہیں۔ تو . . . .

خاتون :- اور یاد بھی کیسے رہ سکتا ہے۔ یہی دیکھئے کہ اگر میں آنکھیں بند کر کے بتانا شروع کروں تو میں یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ میری ساڑی کا رنگ کیا ہے۔ اور میں اپنی شادی کی انگوٹھی پہنے بھی ہوں یا سنار کو ہیرا جڑوانے کے لئے بھیج چکی ہوں۔

عباس :- مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں آپ کو بٹوہ نہیں دے سکتا۔

خاتون :- افوہ۔ آپ کو نہیں معلوم میرا دل کتنا کمزور ہے ایک شریف انسان کے منہ سے یہ الفاظ سن کر تعجب ہے میں بے ہوش کیوں نہیں ہو گئی۔

عباس :- آپ کے بے ہوش ہو جانے سے قطعی کوئی فائدہ نہیں - بے کار۔
(جل جاتا ہے)

خاتون :- اور میرے چچا فگار کشمیر کی وادیوں میں لوکاٹ کے پھول -

عباس :- جی وہ لوکاٹ کے پھول ہوں یا - سمندر کے جھاگ - آسمان کے تارے توڑیں یا زمین کے قلابے ملائیں - یقیناً وہ کوئی مفید کام نہیں کر سکتے ———

خاتون :- آپ میرے چچا کی توہین کر رہے ہیں ؟

عباس :- بالکل واہیات سے آدمی معلوم ہوتے ہیں آپ کے چچا -

خاتون :- اور آپ کسی کے محبوب کا آخری تحفہ نہ دیں گے - بڑے شقی القلب ہیں آپ !

عباس :- بد نصیبی میری - میرے دفتر کا وقت آ رہا ہے - بہتر ہو آپ تشریف . . .

خاتون :- آپ بٹو نہیں دیں گے -

عباس :- جی نہیں -

خاتون :- آپ - اچھا تو — پھر میں مجبوری اور افسوس کے ساتھ عرض کر دوں گی کہ آپ نہایت ذلیل ہیں کمینے اور دغا باز ———

عباس :- جی ہاں میں سب کچھ ہوں - اب اگر گل افشانی کر چکی ہوں تو یہ رہا باہر جانے کا دروازہ - آداب عرض -

خاتون :- آپ - آپ - اوہ - میرے حواس . . . .

عباس :- بہتر ہو کہ آپ یہاں بے ہوش ہونے کی تکلیف نہ فرمائیں -

(سمی بلیغ) ورنہ - میری بیوی کا غصہ بہت تیز ہے اور آج تو وہ صبح سے بھنا رہی ہیں -

خاتون - آپ —— وحشی ہیں —— خواتین سے بات کرنے کے لائق نہیں۔ (چلی جاتی ہے)

عباس - توبہ توبہ . . ارے بندو - میرا قلم لائیو ذرا —— توبہ عورت تھی کہ پنج شاخہ —— ارے بندو قلم -

بندو - سرکار آپ کے پاس ہی تو تھا۔

عباس - ارے تو پھر کہاں گیا —— (کچھ یاد کر کے) ارے دیکھ تو وہ —— وہ گئی - لپک کے جا۔

بندو - کون ؟ سرکار۔

عباس - ارے وہی تیری نانی -

بڑھیا - کیا ہے میاں -

عباس - اُوہ تم - اچھی تو ہو بندو کی نانی - ارے دیکھ تو لپک کے وہ میرا قلم لے گئی کم بخت -

بندو - کون سرکار وہ عورت - وہ تو میرے سامنے ٹرام میں بیٹھ کر گئی -

عباس - لاحول ولا قوۃ - کم بخت باتونی قلم لے اڑی - صبح سے بٹوے کے پیچھے پڑی تھی -

بڑھیا - اے میاں - کیا کوئی بٹوہ . . . . .

عباس - اُف - بندو کی نانی تم بھی ! خدا کا واسطہ کیا اب تم لوگوں نے مجھے پاگل

بنا دینے کی ہی ٹھان لی ہے۔ جاؤ خدا کے لئے۔

بڑھیا۔ اے میاں۔ میں تو۔

عباس۔ خدا کا واسطہ چلی جاؤ۔

بڑھیا۔ اُوئی — توبہ۔ خیر! (کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے)

عباس۔ اُونہہ . . . . . . بندو . . . . دیکھ تو کون ہے . . . سن اگر کوئی بٹوہ کے لئے آیا ہو تو کہدے کہ سرکار ——

شاعر۔ (آجاتے ہیں) آداب عرض قبلہ۔

عباس۔ (مردہ آواز میں) آداب عرض۔

شاعر۔ معاف کیجئے گا۔ گویا کہ غبار صاحب بڑی تکلیف دی آپ کو۔

عباس۔ جی میرا نام عباس احمد ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ غبار صاحب یہاں نہیں رہتے۔

شاعر۔ اے بھلا قبلہ غلط فہمی کیسی میں نے جان بوجھ کر آپ کو غبار صاحب کہا۔ گویا کہ آپ کا تخلص ہے۔ یوں تو آپ کے نام سے کون واقف نہیں، آپ کے نام سے اشتہار۔

عباس۔ جی؟ میرا تخلص وخلص کچھ بھی نہیں

شاعر۔ اے تو خصت پھر آپ نے وطن کے لحاظ سے گویا کہ کچھ نام کے ساتھ لگاتے ہوں گے

عباس۔ جی نہیں میں کچھ نہیں لگاتا۔

شاعر۔ میں نے سوچا گویا کہ جیسے دہلوی۔ سندیلوی وغیرہ ایسے۔ آپ بمبئی کے

ہیں نا۔ تو اسی طرح بمبو بمبئی وی۔۔۔ بم بم۔ بات یہ ہے بمبئی کچھ ہے بھی عجیب نام۔۔۔

عباس۔ عرض کیا نا کہ ہیں بم وم کچھ نہیں لگاتا اپنے نام کے ساتھ۔

شاعر۔ اوہ۔ خیر کوئی ہرج نہیں تو گویا کہ عباس صاحب ہی ٹھیک ہے۔

عباس۔ (بگڑ کر) یعنی زبردستی! صاحب مجھے نہیں پسند یہ تخلص وغیرہ۔

شاعر۔ خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ گویا کہ احقر کو مفلس کہتے ہیں۔

عباس۔ کون احقر؟

شاعر۔ جی؟۔ اُ۔ یہ بندہ گویا کہ خاکسار —— ایں جانب۔ مابدولت۔

عباس۔ اوہ آپ۔

شاعر۔ جی یہ خادم۔ گویا کہ وہ آپ نے میری تازہ آزاد نظم "کشمکش" تو پڑھی ہوگی۔

عباس۔ جی نہیں مگر اب دیکھ لوں گا۔

شاعر۔ اجی دیکھ کیا لیں گے۔ بندہ خود دکھائے گا۔ گویا کہ آج ہی ایک کاپی بطور شکریہ پیش کی جائے گی آپ کی خدمت میں۔

عباس۔ شکریہ۔ کاہے کا شکریہ۔

شاعر۔ لیجیے حضرت تکلف کرتے ہیں گویا کہ اتنا بڑا احسان کر کے بھولے جاتے ہیں۔

عباس۔ مگر بتائیے بھی کون سا احسان؟

شاعر۔ سبحان اللہ۔ گویا کہ کمال کر دیا۔ واللہ قصیدہ لکھنے کے قابل ہے

یہ واقعہ (ترنم سے) ہاتھ دے تو کلائی کو خبر نہ ہونے دے۔ یہی طریقہ ہے دینے کا۔ آپ تفصیل کے ساتھ سارا واقعہ سنائیے گویا کہ میں اسے قصیدے کی صورت میں فوراً شائع کرا دوں گا۔

عباس۔ واقعہ؟ کون سا واقعہ جناب؟

شاعر۔ گویا کہ پورا واقعہ شروع سے لیجئے۔ حضت جہاں سے بٹوہ ملا آپ کو۔

عباس۔ اوہ۔ لاحول ولاقوۃ۔ بٹوہ۔

شاعر۔ جی۔ یوں نہیں۔ شروع سے لیجئے گویا کہ چھوڑوں گا تھوڑی آپ کو پوری تفصیل سنائیے۔ ہاں تو آپ اترتے ہیں۔

عباس۔ کہاں سے اُترتا ہوں؟

شاعر۔ اے حضت موٹر سے، گھوڑا گاڑی سے، گویا کہ ٹرام سے، بس سے گویا کہ اور کہاں سے۔

عباس۔ یقیناً پیڑ پر سے نہیں اترتا۔ مطلب کیا ہے آپ کا؟

شاعر۔ مطلب یہی کہ جیسے ہی موٹر سے اترتے ہیں آپ تو گویا کہ اچانک آپ کی نظر ایک مشہور شاعر کے بٹوے پہ پڑتی ہے۔

عباس۔ مگر جناب۔

شاعر۔ (جلدی سے) اور آپ اٹھا لیتے ہیں بٹوہ۔ گویا کہ۔

عباس۔ جی ہاں شامتِ اعمال۔

شاعر۔ اور پھر گویا کہ آپ کے دل میں خیالات موجزن ہوتے ہیں۔ بدی

اور نیکی کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ بدی کہتی ہے۔ (ترنم سے) گویا کہ
کہتی ہے بدی یہ ہنس کے نیکی سے۔ کہ کیا عرض کروں اس وقت
طبیعت حاضر نہیں ورنہ بخدا پورا کا پورا قصیدہ فی البدیہہ سنا دیتا۔
خیر تو اس نیکی اور بدی کی جنگ میں سرخ روئی نیکی کو حاصل ہوتی ہے ——

عباس۔ (زور سے) قطعی نہیں۔

شاعر۔ (چونک کر) ایں —— گویا کہ —— !!

عباس۔ یعنی یہ کہ نہ میرے دل میں خیالات موجزن ہوئے اور نہ نیکی اور بدی کی جنگ ہوئی۔

شاعر۔ اوہ۔ خیر۔ مگر قبلہ (مجبوری ظاہر کرتے ہوئے) قصیدہ کے لئے تو گویا کہ تشبیہہ اور استعارے کے لئے یہ چیزیں ڈالنی ہی پڑیں گی۔

عباس۔ (بگڑ کر) یعنی زبردستی۔ خواہ مخواہ ہی۔

شاعر۔ (دب کر) اوہ۔ خیر جانے دیجئے گویا کہ آپ کو اتنا شدید اعتراض ہے تو نہ سہی۔ خیر آگے چلئے۔

عباس۔ آگے؟ آگے کہاں چلوں فقیر صاحب میرا مطلب ہے مفلس صاحب مجھے دفتر جانا ہے۔

شاعر۔ کیا تو پھر آپ بڈھہ لئے لئے دفتر گئے۔

عباس۔ اوہوں دفتر کہاں جانا چھٹی تھی صاحب۔ سوری برادرز کا بل ادا کیا۔

شاعر۔ اوہ۔ اچھا۔ وہ تو کیا ہی ہوگا۔ مگر حضرت میرے خیال میں اگر سوری برادرز کی دکان کی بجائے کسی ادبی یا علمی ادارے کا نام

زینتِ قصیدہ کے لئے رکھ دیا جائے تو آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا۔

عباس۔ اُدھوں قبلہ درویش صاحب۔ معاف کیجئے مفلس صاحب اب میں کیا عرض کروں میرا مطلب مجھے معاف کیجئے گا۔ قصیدوں سے قلبی بغض ہے۔

شاعر۔ خیر۔ گویا کہ آپ کو اعتراض ہے تو مختصر سی آزاد نظم ٹھیک رہے گی۔

عباس۔ اگر آپ کی ضد کا یہی حال رہا تو نظم کیا یقیناً چند گھنٹوں میں آپ کو میرا مرثیہ لکھنا پڑے گا۔

شاعر۔ تو پھر آپ کے احسان کا بدلہ۔

عباس۔ کس پاجی نے آپ کے اوپر احسان کیا جو آپ میری زندگی اجیرن کئے دیتے ہیں۔

شاعر۔ واللہ آپ تو بگڑتے ہیں۔ تکلیف فرماتے ہیں نا۔ وہی کیا کم احسان تھا کہ آپ نے میرے بٹوے کا پتہ مجھے دے دیا۔

عباس۔ خیر صاحب اگر آپ کا ہے بٹوہ تو للہ جلدی جلدی اس کا حلیہ بتا دیجئے اور لے جائیے۔ میری جان تو چھوٹے۔

شاعر۔ حلیہ؟ —— (قہقہہ) واللہ مزاج میں ظرافت تو کوٹ کوٹ کر بھری ہے گویا کہ خدا نخواستہ واللہ عباس صاحب کمال کر دیا آپ نے یعنی میرا ہی بٹوہ اور مجھ سے ہی آپ حلیہ پوچھ رہے ہیں (قہقہہ)

عباس۔ (چیخ کر) آپ کو حلیہ بتانا ہے تو بتائیے ورنہ غریب صاحب توبہ معاف کیجئے مفلس صاحب خدا کے واسطے مجھے پاگل نہ بنائیے۔

(گھڑی کی آواز) اوہ دس بج گئے۔ لیجیئے قبلہ اس وقت تو تشریف لے
جائیے۔ جلدی کیجیے۔

شاعر۔ میں نے کہا مگر . . . . . .

عباس۔ چلئے چلئے۔ میرے پاس قطعی وقت نہیں۔ شام کو آئیے گا۔

شاعر۔ ہیں گویا کہ آپ مجھے دھکا دے رہے ہیں۔ یعنی یہ آپ کی شرافت ہے۔

عباس۔ اچھا تشریف لے جائیے سیدھی طرح ورنہ۔

شاعر۔ کیا کہا آپ نے ورنہ؟ گویا کہئے کہئے سمجھتے کیا ہیں آپ مجھے۔
میرے قلم کے طاقت کے آگے بڑے بڑے تھراتے ہیں۔ وہ ہجو لکھوں
کہ زندگی دشوار ہو جائے آپ کی۔

عباس۔ اچھا باہر جاکر ہجو اور مرثیے لکھیئے (جھگڑنے کی آواز آتی ہے)

شرابی۔ ہٹ جاؤ۔ نہیں تو روؤگے سر پکڑ کر (بڑھتا چلا آتا ہے) ہٹ جاؤ۔

بندو۔ کہہ دیا ہزار دفعہ کہ سرکار نہیں ہیں۔

شرابی۔ (آکر) اور یہ کون تیرا باپ بیٹھا ہے۔

عباس۔ کون ہے یہ بندو —— نکالو اسے۔

شرابی۔ ہم سے پوچھو ہم کون ہیں۔

عباس۔ کون ہو تم؟

شرابی۔ نہیں بتاتے کوئی بھی ہیں ہم تمہیں اس سے کیا —— ہم ہیں۔

عباس۔ اے بندو نکال اسے۔

شرابی۔ اجی بندو کیا نکالے گا ہمیں۔ بندو کے سر کا بھیجا ہم خود نکال دیں۔ پہلے

یہ بتاؤ کہ تم بڑے بے ایمان ہو۔ تمہیں بٹوہ ملا ہے۔

عباس۔ ہاں ملا ہے پھر۔

شرابی۔ تو پھر لاؤ ادھر۔

عباس۔ مگر۔

شرابی۔ اگر مگر مت کرو سمجھے۔

عباس۔ لیکن۔

شرابی۔ پھر وہی مگر اور لیکن۔ ایک ہی بات ہوئی ہمارا بٹوہ لاؤ۔

عباس۔ کیا ثبوت وہ تمہارا بٹوہ ہے۔

شرابی۔ ثبوت وبوت ہم نہیں جانتے بس بٹوہ دے دو۔ وہ ہمارا ہے۔

عباس۔ مگر یہ صاحب تو کہتے ہیں وہ میرا بٹوہ ہے۔

شرابی۔ کون یہ؟ یہ کون گدھا ہے؟

عباس۔ یہ ہیں جناب مفلسؔ صاحب شاعر۔

شرابی۔ کون یہ؟ اس کا باپ بھی شاعر نہیں تھا۔

شاعر۔ بڑے گستاخ ہیں آپ گویا کہ واللہ۔

شرابی۔ اچھا بتا۔ تھا تیرا باپ شاعر۔ بتا۔ بول۔ ۔ ۔ ۔ (وقفہ)

شرابی۔ اچھا تو چلتے پھرتے نظر آؤ۔ بھاگو یہاں سے تمہارا بٹوہ نہیں ہے۔

شاعر۔ مگر حضرت سنئے تو۔

شرابی۔ بس جی بھاگو یہاں سے ہم نے کہہ دیا تمہارا نہیں ہے بٹوہ۔

شاعر۔ یہ تو آپ گویا کہ سراسر زیادتی فرما رہے ہیں۔

شرابی ۔ اچھا اب جاتا ہے یا نہیں۔ شاعر کی دُم ۔
شاعر ۔ ہیں ۔ ہیں جا تو رہا ہوں گویا کہ عباس صاحب ، واللہ کیا کوڑھ مغز ہے ۔ مجھے واللہ اس کا نام بتایئے گویا کہ وہ ہجو لکھوں کہ سات پشتیں کانپ اٹھیں ۔
شرابی ۔ ایں ؟ کیا لکھے گا ؟
شاعر ۔ ہجو ۔ گویا کہ ایسی کہ بس شہر میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے ۔
شرابی ۔ ہوں ۔ تو لو لکھو ۔ لو ۔ لو (تھپڑ لگاتا ہے) جاؤ لکھو جو کچھ جی چاہے ۔
شاعر ۔ اوہ ۔ گویا کہ ۔ ارے کیا بدحواس جانور ہے ۔ گویا کہ ستم ہے ۔ اوہ ۔ سر شعر
شرابی ۔ (دروازہ بند کر کے) لے اب لاؤ ہمارا بٹوہ ۔
عباس ۔ آ ۔ مگر یہ تو بتاؤ بھئی کیسا تھا تمہارا بٹوہ ۔
شرابی ۔ تمہاری بلا سے جیسا تھا ویسا تھا ۔ ہے اور ہوگا بس تم بٹوہ دیدو ہمیں ۔
عباس ۔ نہیں ۔ اگر اس کا مالک نہیں ملا تو میں بٹوہ پولیس میں دے دوں گا ۔
شرابی ۔ (بچوں کی طرح بسورتے ہوئے) نہیں بھئی ۔ پولیس ولیس ہمیں پسند نہیں ۔ سیدھی طرح بٹوہ دے دو نہیں تو ہم رو دیں گے ۔
عباس ۔ یعنی زبردستی ۔
شرابی ۔ (تیز ہو کر) ہاں اور کیا ۔ تم ایسے نہیں مانو گے ۔
عباس ۔ ارے بندو ۔ نکال اس بدمعاش کو ۔ ارے . . . پولیس ۔
شرابی ۔ لاؤ ۔ کدھر ہے بٹوہ . . . (غل میں انور آجاتا ہے ۔ شرابی بھاگ جاتا ہے)

انور - اماں کیا قصہ ہے - کون تھا یہ بدمعاش ؟

عباس - (ہانپتے ہوئے) اُف - اوہ انور — نہ جانے کون غنڈہ تھا۔ تم عین وقت پر نہ آجاتے تو خدا قسم مار ڈالتا - پولیس - خدا کے لئے پولیس میں رپورٹ کردو جلدی کرو - اُف -

انور - مگر بتاؤ تو بات کیا ہوئی ؟

عباس - اُف نہ پوچھو انور - خدا کے لئے - وہ منحوس بڈھا - بات یہ ہوئی کہ کل سوری برادرز کی دکان پر بل دینے کے لئے گیا تو (کھٹ کا ہوتا ہے) لو پھر کوئی آگیا - انور - بھائی کوئی دم میں پاگل ہوا چاہتا ہوں خدا کے لئے - یا اللہ!

بندو - سرکار کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں -

عباس - کہدے میں نہیں ہوں - جا - بندو - میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے کھڑا -

بندو - وہ نہیں مانتے - آپ کے دفتر سے چلے آرہے ہیں -

عباس - تو کہہ دے میں مر گیا - جا - اور خبردار جو کوئی اندر آیا چٹخنی چڑھا دے -

بندو - بہت اچھا سرکار -

عباس - اوہ - خدا کی قسم مر گیا -

انور - بھلے آدمی جھوٹی قسمیں کھا رہے ہو اچھے بھلے تو بیٹھے ہو پھر کیا ہوا -

عباس - ہاں تو - کیا کہہ رہا تھا - ہاں تو میں جیسے ہی موٹر سے اُترا بڈھا نظر پڑا -

انور - کیسا بڈھا ؟

عباس - ایں ؟ یہ - یہ تم - تم بھی وہی باتیں کرنے لگے - دیکھتے نہیں میرا دماغ

توازن بگڑ چکا ہے۔ رحم کرو میرے حال پر۔ چلے جاؤ۔ (ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے)
اوہ۔ اب کسی نے ٹیلیفون کیا۔ ہلو جی، جی ہاں۔ میں ہوں عباس۔ کہیئے جی؟——
جی۔ اجی حلیہ بتایئے حلیہ۔ حلیہ نہیں یاد؟—ہیں؟—جی نہیں سیاہ نہیں اور۔ ۔
نہ بھورا بھی نہیں۔ نہیں نہیں۔ جی ہاں آپ کا بھی نہیں قطعی نہیں۔ اوں خیر بے ایمان ہی
سہی۔ جی نہیں۔ نہیں نہیں (رسیور پٹخ دیتا ہے) کم بخت آج سب ہی میرے پیچھے
ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔

انور۔ کون تھا؟

عباس۔ ارے وہی —— وہی بٹوہ! بٹوہ!! بٹوہ!!! آج معلوم ہوتا ہے
دنیا بھر کے بٹوے کھو گئے ہیں۔ جسے دیکھو بٹوہ بٹوہ پکارتا چڑھا
چلا آتا ہے لوگوں نے بٹوہ میری چڑ مقرر کر لی ہے۔ انور——
تمہارا تو کوئی بٹوہ نہیں کھو گیا۔

انور۔ نہیں تو—— کیوں؟

عباس۔ شکر ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ دنیا میں ایسا بھی ایک انسان ہے
جس کا بٹوہ نہیں کھویا (سڑک پر کوئی گاتا ہے ــــ
"کیا خبر ان کو کہ میرا دل ابھی بٹوہ ہیں ہے"

عباس۔ اف؟ یہ۔ یہ کھڑکی بند کر دو انور۔ خدا کے واسطے رحم کرو۔
جلدی کرو (کھڑکی بند کرتا ہے) اُف۔ صبح سے لے کر اس وقت
تک (کھٹکا) میرا دماغ بٹوہ میں بند ہو کے رہ گیا ہے اور ایسا معلوم
ہوتا ہے گویا اس کا دم گھٹا جا رہا ہے۔ لو وہ پھر کوئی آیا۔ جلدی جلدی

سے کنڈی لگادو انور۔ ورنہ —— ورنہ ۔ آج مجھ سے کوئی قتل ہو جائے گا ۔ بند کر دو ۔

بندو ۔ (ذرا دور سے) نہیں ہیں صاحب ۔ کہہ دیا ایک دفعہ ۔

آوازیں ۔ ہیں کیسے نہیں ہم نے خود ابھی انہیں کھڑکی میں دیکھا ہے ۔ اندھیر ہے کیا؟ باہر کیوں نہیں نکلتے ان سے کہو بٹوہ دے دیں ورنہ ——

عباس ۔ انور ۔ اب کیا کروں ۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ۔ خدا کے لئے وہ کھڑکی تو بند کر دو ۔ ارے کھڑ ۔ کھڑکی —— پردہ ڈال دو ۔

بندو ۔ سرکار ۔ وہ نہیں مانتے ۔ چڑھے چلے آرہے ہیں ۔ کوئی پچاس ساٹھ ہیں ۔

عباس ۔ در —— دروازہ بند کر دے ۔ تالا ڈال دے ۔

بندو ۔ بند کر دیا سرکار مگر وہ تو توڑے ڈال رہے ہیں ۔ وہ دیکھیئے کھڑکی میں سے . . . . . .

عباس ۔ نہیں ۔ میں کھڑکی میں سے نہیں دیکھوں گا ۔ وہ لوگ مار ڈالیں گے مجھے ۔ تم ۔ تم دیکھو انور . . . . .

انور ۔ اچھا دیکھتا ہوں ۔ ٹھہرو میں ان سب کو سمجھا کر ابھی بھیجے دیتا ہوں (کھڑکی کھلتی ہے تو غل آتا ہے) ارے سنو ۔ ششش ۔ خاموش ۔ ذرا سنئے حضرات (غل کم ہوتا ہے) سنئے آپ لوگ کیا چاہتے ہیں ؟

آوازیں ۔ (بٹوا —— ہمارا —— دے دو —— وغیرہ)

انور ۔ دیکھئے آپ لوگ فوراً چلے جائیے ورنہ پولیس ۔ پولیس ۔ عباس فوراً پولیس کو خبر کرو ۔ فون ۔ فون ۔

عباس - تم ہی کرو - مجھ میں تو خودکشی کرنے تک کی طاقت نہیں۔

انور - اچھا - (ٹیلی فون ڈائل کی آواز) ہلو - پولیس اسٹیشن - جی عباس احمد کے یہاں سے - جی - کل انہیں ایک بٹوہ ملا سڑک پر - جی ؟ - جی ہاں ابھی عرض کرتا ہوں۔

عباس - کیا کہتے ہیں -

انور - پوچھتے ہیں کیسا ہے بٹوہ !

عباس - اوہ - انور کہہ دو - کہہ دو - مار دو کم بخت کے سر پر ٹیلی فون - نہیں ہے یہاں کوئی بٹوہ خود حلیہ بتائیں - ہم کیا جانیں کیسا ہے ؟

انور - تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے - بھلا میں یہاں سے ٹیلی فون اس کے سر پر کیسے مار سکتا ہوں - آخر تو وہ کیا جانیں کیسا ہے ؟ جی ہلو - آپ خود تشریف لے آیئے انسپکٹر صاحب جلدی —— فوراً —— جی ہاں -

سرور - یہ کیا مصیبت ہے - کیسا شور ہے - صبح سے یہ وقت ہو گیا اور اللہ مارا بٹوہ نہ ہوا وہ ہو گیا کہ —— کہہ رہوں دے دلا کے الگ کرو -

عباس - تم - تم میرے اور ہاتھ پاؤں پھلائے دیتی ہو - بجائے ہمدردی کے اور مجھے چھیڑ رہی ہو - میری بیوی ہو کر ——— تم ——

سرور - میری بلا سے نہ دیجئے مگر یہ گھر میں غدر جو مچ رہا ہے - توبہ ہے یہ شیشہ کیسے چکنا چور ہو گیا - لو - اور سنو -

عباس - تمہارا سر . . . . .

سرور - میرا سر میرے دشمنوں کا سر ہو چکنا چور - بڑے آئے بیچارے -

انور - بھئی - یہ وقت لڑنے کا نہیں ہے سوچ بچار کا ہے -

بڑھیا - اے میاں - میں نے کہا وہ بٹوہ -

عباس - اوہ - سرور کہہ دو اس بڑھیا سے - اس بندو کی نانی سے میرے ہاتھ سے اس کا خون ہو جائے گا - اب یہ - یہ بھی میری جان کو آ رہی ہے - بٹوہ کی نانی -

سرور - چپ رہو نا بڑی بی -

بڑھیا - اچھا بیٹی - مگر میں کہتی تھی کہ ——

عباس - کچھ نہیں کہتیں تم - چپ رہو - خدا کے لئے - اُوہ

(کھٹ پٹ کا شور)

بندو - وہ آگئی پولیس —— دروازہ کھول دیجئے - (انسپکٹر آتا ہے)

انسپکٹر - کہاں ہے وہ بٹوہ -

عباس - یہ - یہ - رہا - سرور ذرا نکال دو الٹے ہاتھ کی دراز میں ہے -

سرور - کہاں ؟ یہ —— یہ ہے وہ بٹوہ -

بڑھیا - اے بیٹی . . . . .

سرور - خدا کے لئے ذرا بڑی بی دیکھا تو کرو - وقت بے وقت بولے چلی جاتی ہو - لیجئے انسپکٹر صاحب -

(انسپکٹر - بندو سب مل کر ارے کہتے ہیں اور دوسرے تعجب کے جملے کہتے ہیں)

انسپکٹر ۔ تو یہ ہے وہ بٹوہ

عباس ۔ جی ہاں ۔

انسپکٹر ۔ تو اس بٹوے کی خاطر آپ نے یہ اُودھم مچا رکھی ہے ۔ کیا ہے اس میں ۔

عباس ۔ مجھے نہیں معلوم ۔ میں نے کھول کر کبھی نہیں دیکھا ۔

بڑھیا ۔ اے میاں کچھ بھی نہیں ۔ پانچ پیسے نقد ، چھالیہ کے چار دانے ، تمباکو اور ایک ٹوٹی ہوئی بالی کی گونج ۔

انسپکٹر ۔ ہیں ۔ تمہیں کیسے معلوم بڑی بی ۔

بڑھیا ۔ میرا ہی اللہ ماری کا ہے ۔ لال چھینٹ کا بٹوہ ۔

عباس ۔ ہیں !

بڑھیا ۔ پرسوں بیوی جی دعوت میں گئی تھیں تو میں بھی گئی تھی شاید موٹر میں گر گیا تھا ۔

عباس ۔ تو کم بخت بڑھیا ——— تو نے جب سے نہ کہا ۔

بڑھیا ۔ اے میاں ۔ تم سنتے بھی ہو ۔ کئی دفعہ کہنے آئی مگر تم ایسا چیخ پڑے کہ میں چپ ہو گئی ۔ بیوی جی سے کہنے لگی سو وہ بھی بے سنے ڈانٹنے لگیں ۔

عباس ۔ توبہ ۔ توبہ ۔

سرور ۔ آگ لگے موئے بٹوہ کو ۔

دھانی بانکیں

کردار

برج نرائن

حامد علی

روپا ———— برج نرائن کی بیوی

عائشہ ———— حامد علی کی بیوی

سورج ———— برج اور روپا کا لڑکا

خورشید ———— حامد اور عائشہ کا لڑکا

لکشمی ———— سورج کی بیوی

منہارن

دو پڑوسنیں

پہلا منظر

برج نرائن کا مکان۔ صحن اور برآمدے کا کچھ حصہ۔ صحن میں ایک کھڑکی ہے جس میں سے حامد علی کے گھر کا کچھ حصہ نظر آتا ہے معمولی ساز و سامان دو چار کرسیاں اور میز۔ دیوار کی کھڑکی کے پاس ایک چوکی بچھی ہے جس کے قریب ہی زمین پر ایک چٹائی اور دو تین پیڑھیاں پڑی ہوئی ہیں۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو برج نرائن کا مکان خالی ہے۔ کھڑکی میں سے حامد علی نظر آتے ہیں پلنگ پر بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ عائشہ ان کی بیوی پاس بیٹھی پنکھا جھل رہی ہے۔ برآمدے کے پہلو والے دروازے سے برج نرائن کپڑے بدل کر گنگناتے ہوئے نکلتے ہیں۔

برج ۔ ارے بھئی کتنی دیر کر دی کیا آج بھوکا مارنے کا ارادہ ہے ؟

روپا ۔ (رسوئی سے) اے ہے کہاں دیر ہوئی۔ بس تم بیٹھو میں لاتی ہوں۔

برج ۔ (کھڑکی کے قریب چوکی پر پالتی مار کر بیٹھ جاتے ہیں) نو بج چکے جی۔

روپا ۔ (اندر سے تھالی لئے آتی ہے) کہیں نجے نہ ہوں۔ نو بجنے میں بیس منٹ

ہیں۔ بے کار کو اندھیر مچا دیا کہ دیر ہو گئی۔ ذرا یہ کچوریاں تل رہی تھی۔

برج ۔ اوہو ہو۔ تب تو بالکل دیر نہیں ہوئی (کھا کر) واہ . . . . .

حامد ۔ ارے بھابی اسے کچوریاں کھلا کر کاہے کو موٹا کئے دیتی ہو۔

عائشہ ۔ توبہ ہے رہنے دو۔

حامد ۔ (جملہ پورا کرتا ہے) بیچارے کو ویسے ہی پلنا دو بھر ہے۔

روپا ۔ ہے ہے بھیا بڑے ہی ندیدے ہو۔

برج ۔ (کچوری سے منہ بھرا ہے) پسچ کہتی ہو۔

روپا ۔ (تھالی سے کچوریاں اٹھا کر کھڑکی سے حامد کو دیتی ہے)

برج ۔ (پریشان ہو کر) ہیں ہیں۔ یہ کیا کرتی ہو۔

روپا ۔ تم کھاؤ ہیں اور لاؤں گی (حامد سے) لو بھیا مگر بھگوان کے لئے نظر تو نہ لگاؤ۔

عائشہ ۔ (کچوریاں لے کر دیتی ہے)

حامد ۔ جیو۔ بھابی۔ اللہ پاک تم کو سات بیٹے دے۔

روپا ۔ (جھینپ کر) ہائے رام، کیسا آدمی ہے۔

برج ۔ کہتا تھا کہ نہ وہ نیکی کر دریا میں ڈال . . . . . (منہ بنا کر) ارے کوئی اچار وچار نہیں۔

روپا ۔ کل ہی تازہ ڈالا ہے۔ ابھی اٹھا نہیں۔

عائشہ ۔ (سن کر) کیا اچار چاہیئے۔ (اچار نکالتی ہے)

روپا ۔ اب رہنے بھی دو۔

برجی ۔ کاہے کو رہنے دو۔ تمہیں تو میرا کھانا برا لگتا ہے ۔
عائشہ ۔ (اچار دیتے ہوئے کھڑکی سے) جبھی تو کہتی ہوں میرے ہاں کھانا کھایا کیجئے ۔
حامد ۔ اجی بس رہنے دو کہتا ہوں بھابی سے دو چار کھانے پکانا سیکھ لو۔ تو . . . . . .
روپا ۔ (جلدی سے حمایت میں) یہ تو نہ کہو حامد بھیّا ۔ عائشہ تو ایسا لاجواب کھانا بناتی ہے کہ کیا کہنے ۔
برجی ۔ مگر بندر کیا جانے ادرک کا مزہ (ہنس پڑتے ہیں سب)
حامد ۔ اماں کھا بھی چکو یا آج دفتر چلنے کا ارادہ نہیں ۔ ارے بھابی نکالو اسے گھر سے ۔
منہارن ۔ (آتی ہے)
برجی ۔ (اور روپا) سلام مبّا
منہارن ۔ جیو بیٹیا . . . . اے بہو ۔
روپا ۔ کیا ہے مبّا ۔ اے بس لگیں کان کھانے کو ۔ جاؤ جی یہاں کسی کو چوڑیاں نہیں پہننی ۔
منہارن ۔ (بغیر توجہ دیئے بیٹھ کر پوٹلی کھول لیتی ہے۔) اے بہو . . . وہ لاجواب دھانی بانکیں لائی ہوں کہ کیا بتائیے
روپا ۔ (بغیر چوڑیاں دیکھے) مٹی ڈالو ان موئی بانکوں پر ۔
منہارن ۔ نہ بیٹا سہاگ کی چیز کو ایسا نہیں کہتے ۔ یہ دیکھ (پوٹلی سے بانکیں نکالتی ہے

برج ۔ اچھا جی ہٹو چلے۔

منہارن ۔ (چونک پڑتی ہے تو ہاتھ سے ایک بانک گر کر ٹوٹ جاتی ہے)

اے ہے . . . کہاں چلے بیٹا ۔

برج ۔ کبڈی کھیلنے اور کہاں سمجھیں۔

روپا ۔ (ہنس کر) دفتر جا رہے ہیں بوا۔

منہارن ۔ اے بیٹا آج تو نہ جاتے تو اچھا تھا۔

برج ۔ کیوں؟ کیا پھر چاقو چلوا دیئے تم نے۔

منہارن ۔ اے نوج ہیں خاک پڑی کیا ہے کو چلواتی ۔ لے وہ آپ ہی چل رہے ہیں۔ چھپتے ہیں آج صبیر سے صبیر تین خون ہوئے ہیں۔

حامد ۔ (کھڑکی سے) کون ۔ ڈیلی بجٹ ہیں؟

برج ۔ ہاں کہتی ہیں آج نہ جاؤ ۔ ارے ڈیلی یہ تو روز ہی ہوتا ہے ۔ پوکئی اپنے کو تو سب جانتے پہچانتے ہیں۔

منہارن ۔ پر بیٹا ۔ چاقو چھری کسی کو نہیں پہچانتے۔

برج ۔ (منہارن کے کہنے سے کچھ فکر مند ہو جاتا ہے)

حامد ۔ اماں کیا آدمی ہو چلتے ہو یا آج ہی منہارن سے چوڑیاں پہننے کا ارادہ ہے۔

برج ۔ (چلتے ہوئے) بڑی بی تم تو کسی اخبار کے دفتر میں نوکری کر لو۔

منہارن ۔ (جانے کے بعد) ارے میں اب کیا کروں گی نوکری ۔ (سورج اور خورشید دونوں بچے لڑتے ہوئے آتے ہیں) (اپنی پوٹلی بچاتی ہے)

ہائیں ہائیں . . . ارے کیا بچے ہیں۔
سورج ۔ (اور خورشید ایک دوسرے کو گھسوٹنے لگتے ہیں) سؤر پاجی . . . گدھا . . .
خورشید ۔ نماقول بھنگی ۔
روپا ۔ الے الے . . . یہ کیا؟ اولے سورج . . . خورشید نہیں مانو گے ۔
عائشہ ۔ (لپک کر کھڑکی سے آتی ہے) ہائیں ہائیں (خورشید کو پکڑ کر کھینچتی ہے)
(عائشہ اور روپا دونوں بچوں میں بیچ بچاؤ کرتی ہیں دونوں اپنے اپنے بچوں کو مارتی اور گھسیٹتی ہیں)
روپا ۔ ارے اسے کیوں مارتی ہو ۔ ملیچھ تو یہ ہے (مارتی ہے) بول . . . اور لڑے گا . . . کیوں؟
عائشہ ۔ نہیں وہ بے چارہ چپکا ہے ۔ یہ ہے بدذات . . . کیوں . . . لے لے . . . اور لڑے گا ۔ آج میں اس کی ہڈی پسلی ایک کر دوں گی ۔
روپا ۔ ارے چھوڑو . . . (سورج کو مارنے سے رک کر خورشید کو چھڑاتی ہے) اے دیکھو چھوڑ دو . . . تمہیں میری کسم عائشہ ۔
عائشہ ۔ نہیں . . . نہیں ۔ یہ روز روز کا جھگڑا فساد مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا ۔ آج تو بس ۔
روپا ۔ (خورشید کو چھڑانا چاہتی ہے تو سورج اپنے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے)
عائشہ ۔ (روپا کا ایک ہاتھ پکڑ کر خورشید کو دوسرے ہاتھ سے مارنے کی کوشش کرتی ہے ۔ وہ چھوٹ جاتا ہے)

روپا۔ (عائشہ کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اب دونوں ایک دوسرے کو ایسے پکڑ لیتی ہیں۔ جیسے وہ ہی لڑ رہی ہیں۔ بچے دور کھڑے تماشہ دیکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر حیرت سے مسکراتے ہیں یہ دونوں ایک دم سے رک کر ایک دوسرے کا منہ حیرت سے دیکھتی ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو بچے ہنس پڑتے ہیں۔ یہ دونوں غصہ ہو کر بچوں کی طرف لپکتی ہیں۔ وہ کھڑکی سے کود کر عائشہ کے گھر میں بھاگ جاتے ہیں۔ دونوں بُری طرح ہانپتی ہیں اور ہانپتی ہوئی چوکی پر بیٹھ جاتی ہیں)

عائشہ۔ واہ جی اچھا جھگڑا چکایا۔

روپا۔ بھئی بڑے خراب بچے ہیں (اس کش مکش میں دونوں کی چوڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں) ہائے ہے۔ ساری چکنا چور ہو گئیں۔

منہارن۔ (موقعہ سے فائدہ اٹھا کر) یہ دھانی بانکیں۔ نئی آئی ہیں بالکل۔

عائشہ۔ (چوڑیوں سے متاثر ہو کر روپا کو دیکھتی ہے) دو دو ڈال لو۔

روپا۔ تم بھی پہنو۔

عائشہ۔ میری تو وہ لائے تھے سو پڑی ہیں وہی ڈال لوں گی۔

روپا۔ تم پہنو گی تو میں بھی پہن لوں گی۔ ورنہ سونے کی ڈال لوں گی۔

منہارن۔ پر بیٹی سہاگ تو کانچ کی چوڑی سے ہے، لو ادھر لاؤ۔

عائشہ۔ (روپا اس کا ہاتھ بڑھا دیتی ہے)

منہارن۔ (روپا کے ہاتھ پر خون دیکھ کر) لو خون نکل آیا۔ توبہ میری کیسا فتنے

ہیں صبح صبح سہاگن کی چوڑی ٹوٹے یہ کوئی اچھا شگن ہے۔

عائشہ۔ (متاثر ہو کر سہم جاتی ہے) بڑے شیطان ہیں یہ بچے۔

منہارن۔ (چوڑیاں پہناتے ہوئے) اور بیٹی میں نے تم سے کہا کہ بابو جی کو آج نہ جانے دو۔ پتہ ہے شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ گلی گلی خون ہو رہے ہیں جدھر دیکھو ماریو۔ لیجیو۔ چلیو۔ میرے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اری بیٹی تم گھر کی بیٹھنے والی کیا جانو۔ وہ بنو کا بیٹا تھا نا۔

روپا۔ آہاں؟

عائشہ۔ وہی پچھلے رجب لڑکے کا عقیقہ کیا تھا نا۔

منہارن۔ وہی نگوڑا۔

عائشہ۔ تو۔

منہارن۔ بھول گلی سے گزر رہا تھا۔ دھر لیا۔

روپا۔ ہائے ہائے رام رے (ہلتی ہے تو چوڑی ٹوٹ جاتی ہے)

منہارن۔ اے ہے بھو ہوت۔ اور للو کے تو تینوں ختم ہو گئے۔

عائشہ۔ ایں؟

منہارن۔ دو تو چوک میں مسلمانوں نے کاٹ کے ڈال دیئے۔ اور ایک وہ منجھلا والا جو تھا وہ ہسپتال کے پاس جو آگ لگائی تھی۔ اس میں پکڑا گیا۔

عائشہ۔ ہائے خدا میرا تو کلیجہ نکلا پڑتا ہے۔ سنا ہے کلو کے دونوں بچے مدرسے سے آرہے تھے تو راستہ میں۔

روپا۔ اے ہے مر گئے۔

منہارن۔ ایک تو بچ گیا۔ پر وہ بھی خاک بچا۔ ٹانگ سدا کو بے کار ہو گئی۔ داہئیں آنکھ جاتی رہی۔

روپا۔ ہے بھگوان۔ (چوڑی ٹوٹتی ہے)

منہارن۔ اری بیٹی ہلے تو مت جا۔ چہ چہ ۔۔ ۔۔ ۔۔

عائشہ۔ یا خدا یہ جھگڑا کب بند ہو گا۔ اللہ پاک اب تو جی گھبرا گیا (منہارن سے) پر بوا اللہ کا شکر ہے ہمارے محلہ میں تو امن ہے۔

منہارن۔ آگ ہی تو ہے پھیلتے پھیلتے پھیلے گی۔

روپا۔ بھگوان نہ کرے۔

عائشہ۔ اس محلہ میں بھی تو ہندو مسلمان ہیں، پر دیکھو جھگڑا نہیں ہوتا بھئی یہ مسلمان بڑے غصیل ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات ہوئی اور چاقو لے دوڑے۔

روپا۔ ہنہ تو یہ ہندو کون سے کم ہیں۔

منہارن۔ ارے بیٹی یہ تو ہندو ہیں نہ مسلمان۔ (منہارن کا چہرہ وحشت زدہ ہو جاتا ہے)

عائشہ۔ (کچھ نہ سمجھ کر) ایں؟

منہارن۔ (خوف زدہ ہو کر چاروں طرف دیکھتی ہے) یہ ۔ ۔ ۔ یہ تو ۔ ۔ ۔

روپا۔ (اس کا بازو جھنجھوڑ کر) میّا

منہارن۔ (بڑے رازداری کے انداز میں) یہ تو بھوت ہیں۔

روپا۔ (اور عائشہ ایک دم سہم جاتی ہے)

عائشہ۔ (خوف کو دور ہٹا کر) لے ہٹو میّا کیسی باتیں کرتی ہو۔

منہارن۔ (جس کے چہرے پر عجیب پر اسرار وحشت طاری ہے) ہاں سچ کہتی ہوں۔ میرے پیر جی نے مجھ سے کہا یہ بھوت ہیں۔ آسیب جبھی تو انسانوں کو مارتے ہیں۔

عائشہ۔ پر کیوں؟

منہارن۔ اس لئے کہ یہ شیطان کے چیلے ہیں۔ اور ایک دن۔ ایک دن یہ سب انسانوں کو مار ڈالیں گے اور پھر انہیں کا راج ہوگا۔ (دونوں عورتیں بری طرح سہم جاتی ہیں)

روپا۔ ہائے رام منہارن ماں۔ بھگوان کے لئے ایسی باتیں نہ کرو۔

عائشہ۔ (ڈر کو جھٹک کر) اُنہہ ہٹو بھی۔ یہ تو سدا ایسی ہی باتیں اڑاتی ہیں۔ ان کے پیر جی نہ جانے کیا کہہ دیتے ہیں کہ بس۔

روپا۔ پر سچ تو کہتی ہیں۔ کون دھرم اس خون خچر کو کہتا ہے۔ جو دھرم کا نام لے کر . . . . اری میّا وہی تازیوں کا جھگڑا ہے نا۔

منہارن۔ ہاں . . . .

عائشہ خاک پڑے اب تو چھٹی ہوئی۔ محرم بھی ختم ہو گیا۔

روپا۔ ارے محرم کا تو بہانہ ہے اور ہولی پر جو لٹھ چلے تھے اور پچھلے سال جو چوک میں چاقو چلے تھے۔ کاہے پر چلے تھے منہارن ماں۔

منہارن۔ بھول گئی بیٹا۔ ارے ہاں نہیں تو . . . . . . آئے دن کی بات ہے کیسے یاد رہے۔

روپا۔ ہا! کیسی بری بات ہے (تھوڑی دیر خاموشی رہتی ہے روپا جیسے دورتخیل

ہیں کچھ سنتی ہے۔ آواز آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہے۔ بلند ہوتی ہے۔"
مارو۔ ۔ ۔ مارو۔ ۔ ۔ لینا۔ ۔ ۔ لینا۔ آوازیں وحشت ناک گونج ہے اور ساتھ ساتھ ایسی آوازیں بھی آتی ہیں۔ جیسے کوئی کسی کو قتل کر رہا ہو) ایں؟ عائشہ؟

عائشہ۔ (بالکل بے خبر ہے) کیا؟

روپا۔ وہ۔ ۔ ۔ وہ لوگ آج نہ جاتے تو اچھا تھا۔

عائشہ۔ (اس کے خوف سے خود بھی ڈر جاتی ہیں) ہیں؟ نہیں بہن اللہ اپنا رحم کرے گا۔

منہارن۔ (چوڑیاں پہنا کر) لو۔ ۔ ۔ بیٹی۔

روپا۔ سلام میّا۔

منہارن۔ جگ جگ جیو۔ ۔ ۔ بوڑھ سہاگن ہو۔

عائشہ۔ (اپنی طرف جانے کو اٹھتی ہے) ابھی لاتی ہوں دام۔ ۔ ۔ (جاتے کے لئے مڑتی ہے تو کانوں میں وہی وحشت ناک آواز آتی ہے۔
"مارو۔ ۔ ۔ مارو" یہ اُس کا تخیل ہے جو مسحور ہو ہو کر اسے یہ آوازیں سنا رہا ہے۔ چونک کر رک جاتی ہے۔ وحشت چہرہ پر چھا جاتی ہے خوف زدہ ہو کر منہارن کی طرف مڑتی ہے تو آواز ایک دم بند ہو جاتی ہے۔ پریشان ہو کر اسے فضا میں ڈھونڈتی ہے روپا اور منہارن اسے حیرت سے دیکھتی ہیں۔ کیونکہ وہ کچھ نہیں سنتیں۔ (اطمینان کا سانس لے کر) لے ہے تو یہ کان بجنے لگتے ہیں۔

(کھڑکی سے جاتی ہے)

روپا ۔ (پھر وہی غل دور سے اٹھتا ہے ۔ روپا سمجھتی ہے یہ اس کا واہمہ ہے مگر منہارن کے وحشت زدہ چہرہ کو دیکھ کر چیخ پڑتی ہے) یہ کیا ہے (کھڑی ہو کر) ارے یہ کیا ہے (آواز بجائے رکنے کے اور بڑھتی ہے) لوگو . . . . . . ارے عائشہ . . . .

(غل بہت زور سے بلند ہوتا ہے اسٹیج پر اندھیرا رینگنا شروع ہوتا ہے ۔ ایک دم سے سامنے کا دروازہ کھلتا ہے اور ایک لڑکا گرتا پڑتا داخل ہوتا ہے)

لڑکا ۔ قتل . . . قتل کر ڈالا . . پکھری روڈ پر . . . .

پڑوسن ۔ (ایک طرف سے بھاگتی آتی ہے) کسے . . . .

لڑکا ۔ سب کو . . . . سب . . . پانچ آدمی ۔ تمام لاشیں ہی لاشیں وہ لا رہے ہیں (بدحواس اور پاگل سا ہو جاتا ہے) گاڑی میں دھر کر لا رہے ہیں ۔ دونوں کو . . . . (کچھ ڈر کر روپا کی طرف دیکھتا ہے)

روپا ۔ (کلیجہ تھام کر کراہنے لگتی ہے) کچھ صاف سمجھ میں نہیں آتا ۔

(۱) عورت ۔ (باہر سے بھاگتی آتی ہے) ہائے رے غضب ہو گیا ۔ اری ماں ری . . . اری ہی (گرتے گرتے کھمبے سے رک جاتی ہے)

(۲) عورت ۔ (بازو سے داخل ہوتی ہے) اری کیا سچ مچ . . . برج نرائن بابو اور حامد میاں . . . . (سہم کر عائشہ کو دیکھتی ہے جو پاگلوں

کی طرح کھڑکی ہیں کھڑی ہے۔ کہنی سے ٹھوکا مار کر دوسری کو دکھاتی ہے۔

لڑکا۔ (ایسے کھڑا ہے گویا اس نے کچھ شرارت کی ہے)

(۲) عورت۔ کیوں رے چھوکرے تو نے دیکھا برج نرائن . . . . .

لڑکا۔ (جلدی سے) ہاں قرآن قسم اپنی آنکھوں سے کچہری روڈ پر پتھر چل رہے تھے ادہر سے ہندو تھے ادہر سے مسلمان آگے برج نرائن بابو کے یہ لگا آکر پتھر (سر پر پتھر مار کر بتاتا ہے) وہ دھائیں سے گرے۔ حامد میاں انہیں اٹھانے کو جھکے تو یہ دیا ایک نے پیچھے سے چاقو۔ کمر پہ ذرا اوپر ہاتھ سے بتاتا ہے۔ سارا یاں سے یاں تک کاٹ کر رکھ دیا۔ (عائشہ کو لاش کی طرح چپ چاپ کھڑا دیکھ کر ڈر جاتا ہے اور بھاگنے کو دروازے کی طرف مڑتا ہے) قران قسم . . . . لا رہی ہیں لا رہے ہیں۔

عورت۔ (روپا کو کرب کی حالت میں دیکھ کر) روپا بہن . . . . . اے روپا بہن . . . . . . اسے بے ہوش پا کر عائشہ کی طرف مڑتی ہے۔ عائشہ آپا . . . . (اس کی صورت دیکھ کر ڈر جاتی ہے) اس کے پاس جاتی ہے) عائشہ آپا . . . . . . (اسے چھوتی ہے تو اس کا سر ڈھلک کر آگے سینے پر گرتا ہے۔ چیخ مار کر دور ہو جاتی ہے۔ اندھیرا بڑھ کر پوری اسٹیج کو ڈھک لیتا ہے)

(ایک جھلک)

سسکیوں اور آہوں کی دبی گھٹی آوازیں . . . اسٹیج پر

گھپ اندھیرا ہے۔ ایک باریک سی روشنی کی لکیر ایک ہاتھ پر پڑتی ہے۔ جس میں "دھانی بانکیں" جگ مگا رہی ہیں۔ ایک پتھر ایک بوڑھے سے ڈرواونے ہاتھ میں ہے۔ وہ دھانی بانکوں پر پڑتا ہے۔ کھڑکی کا پٹ کھلتا ہے اور عائشہ کا ستا ہوا سفید چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ "دھانی بانکیں" ٹوٹتی دیکھ کر وہ بھی اپنا ہاتھ پاس گرا دیتی ہے اور پتھر دونوں ہاتھوں کی چوڑیاں ٹھنڈی کر دیتا ہے۔ اسٹیج پر بالکل اندھیرا چھا جاتا ہے۔)

دوسرا منظر

دس برس بعد

(وہی گھر ہے۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ چند پرانی چیزوں کی جگہ نئی چیزیں آگئی ہیں۔ وہی چوکی کھڑکی سے ذرا ہٹا کر بچھائی ہوئی ہے۔ پاس دو چار کرسیاں پڑی ہیں۔ کیلنڈر سے پتہ چلتا ہے کہ بجائے سنہ ۱۹۳۷ء کے اب سنہ ۱۹۴۷ء ہے)

(پردہ اٹھتا ہے تو روپا چوکی پر بیٹھی کچھ سیتی نظر آتی ہے، اس کی کمسن بہو لکشمی پاس مونڈھے پر بیٹھی اونی سوئٹر بن رہی ہے

روپا۔ (جو قبل از وقت بوڑھی ہو گئی ہے) بہو

لکشمی۔ جی

روپا۔ سورج کو ململ کے پیسے دے دیئے۔

لکشمی۔ دے دیئے (عائشہ کے گھر کا دروازہ کھلتا ہے۔ روپا کی اس طرف

پیٹھ ہے۔خورشید نظر آتا ہے۔ وہ اشارہ سے اسے خاموش رہنے کو کہتا ہے اور خود روپا کی طرف بڑھتا ہے۔ لکشمی ہنسی روکتی ہے)

روپا۔ (اپنی دھن میں) اور اچھی طرح سمجھا بھی دیا ہے۔ یہ نہیں کہ کچھ اور اٹھا لائے۔ (خورشید اس کے کندھے پکڑ زور سے "ہو" کرتا ہے)

روپا۔ (زور سے اچھل پڑتی ہے) اے ہے۔

لکشمی۔ (زور سے قہقہہ لگاتی ہے)

خورشید۔ بڑی ڈرپوک ہو ماسی (اس کے کندھوں پر پیار سے لد جاتا ہے۔ میرا بس چلے تو جانتی ہو کیا کروں۔

روپا۔ ارے ہٹ۔ میرے کندھے ٹوٹے۔

خورشید۔ تمہارے ہاتھ میں بندوق دے دوں اور کہوں ہاں چلو میرے شیر!

روپا۔ (حیرت سے) اے کہاں چلو۔

خورشید۔ فیر کرو۔ مارو دشمن کو!

روپا۔ چل ہٹ یاں سے۔ میرا کون ہے دشمن۔

خورشید۔ میں ... میں ہوں نا۔ اس کے گلے میں جھول جاتا ہے۔

روپا۔ (خوشی سے مسکراتی ہے مگر بن کر ڈانٹتی ہے) اے ہٹ نابدذات۔

عائشہ۔ (ایک چھوٹا سا کرتا لئے آتی ہے)

روپا۔ ارے منع کرو نا اس کو دیکھتی ہو عائشہ۔

سورج۔ (تولیہ سے ہاتھ پونچھتا آکر کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

عائشہ۔ ہنہ میں کیا دیکھوں۔ تمہیں نے لاڈ میں سر چڑھایا ہے اب بھگتو۔

یہ ٹھیک ہے۔

خورشید۔ (کُرتا دیکھ کر) ارے یہ کس کا کُرتہ ہے اماں۔

عائشہ۔ سورج کے بچے کا۔

لکشمی۔ (ذرا جھینپتی ہے)

خورشید۔ (نہ سمجھ کر) ارے اتنا سا؟ ..... کیوں بے سورج کے بچے تیرا اتنا سا کرتہ۔

سورج۔ (شرما کر ہنستا ہے) ہیں ہیں۔

لکشمی۔ (اٹھ کر بھاگتی ہے)

خورشید۔ (گھبرا کر سب کو دیکھتا ہے پھر سمجھ جاتا ہے) اچھا تو یہ ٹھاٹ ہیں (زور سے سورج کے پیٹھ پر ہاتھ مارتا ہے) واہ بھئی ... کمال کر دیا۔

روپا۔ ارے اس مسٹنڈے کی بھی شادی کر دو نا۔ بہت آزاد گھوم لیا۔

خورشید۔ (روپا سے) اے تم ہی کرا دو نا اپنے نالائق بیٹے کی تو جھٹ سے کر لائیں۔

روپا۔ اے اس کی بھی تو ہیرالال کے یہاں تیری ماں نے ہی لگائی تھی۔

پڑوسن۔ (سوپ میں دال لاتی ہے)

روپا۔ (دیکھ کر) بہو ... اے بہو ... یہ چنے کی دال رکھ دے ارے چندا بہن اس کی اپنے خورشید کی کہیں بات چیت پکی کرو نا تم نے مرزا جی کی لڑکیوں کا ذکر کیا تھا۔ جاؤ نا ایک دن۔

پڑوسن۔ (ناک چڑھا کر) نا بہو جی۔ میرے کوئی دیوانے کتے نے کاٹا ہے جو مسلمانوں کے محلہ میں جاؤں، رام رام کیا اندھیر ہو رہا ہے۔

خورشید۔ ارے تمہیں کون چھیڑے گا تم تو خود شہر کوتوال ہو۔
سورج۔ اور کیا کم از کم ہمارے محلہ میں تو انہیں کا راج ہے۔
منہارن۔ (ایک دم داخل ہوتی ہے۔ وہی آن بان) ارے کیسا راج قسم سے راج پاٹ تو نہ جانے کہاں بیٹھا اونگھ رہا ہے۔ اب تو بس یم راج ہی کا راج ہے (فوراً لہجہ بدل کر) اے لو بہو کہاں ہے۔ کیا "دھانی بانکیں" لائی ہوں کہ بس۔
روپا۔ ("دھانی بانکیں" کے نام سے روپا کے ہاتھ لرزنے لگتے ہیں اور عائشہ کے چہرے پر وہی پاگلوں جیسی وحشت طاری ہو جاتی ہے۔ دونوں سناٹے میں دیکھتی ہیں۔ خورشید سورج کو ان کی حالت کی طرف متوجہ کرتا ہے)
لکشمی۔ (آتی ہے سب کو خاموش دیکھ کر) کیا بات ہے خالہ جی؟
روپا۔ (ٹالنے کو) اُ. . . . کچھ نہیں. . . . جاؤ بھئی کسی کو چوڑیاں نہیں پہننا۔
پڑوسن۔ موئی سونے کے مول۔
منہارن۔ سہاگ کی چیز ہے۔ سونے کے مول بھی سستی (دھانی بانکیں دکھاتی ہے)
لکشمی۔ اور یہ بانکیں تو کسی کرم کی نہیں۔ دم بھر میں ٹوٹ جاتی ہیں۔
روپا۔ (کانپ کر) بھگوان نہ کرے (بہو کو ڈانٹتی ہے) بہو چپ نہیں رہتی۔
لکشمی۔ کیا ہوا. . . . میں نے تو کہا۔
عائشہ۔ (خود بری طرح لرز رہی ہے) چپ رہ بہو۔ ان کا دل کمزور ہے۔ (اپنے دل کو آہستہ سے مسلتی ہے) کمزور ہے. . . . یاد آ جاتی

ہے تو . . . تو کلیجہ پر جیسے چھریاں چل جاتی ہیں۔

روپا۔ (حالت خواب ہو جاتی ہے) آہ . . . . آہ . . . .

خورشید۔ اماں . . . خمیرہ کھلا دو۔

عائشہ۔ (مردہ دلی سے) کھلا دو۔ طاق میں رکھا ہے۔

خورشید۔ (اپنے گھر بھاگتا ہے)

سورج۔ اماں . . . . اماں جی . . . .

روپا۔ آہ . . . آہ . . . سورج . . . آج نہ جانا . . . آج تو نہ جا۔

سورج۔ مگر . . . .

روپا۔ (ضد سے) نہیں . . . یہ اگر مگر میں نہیں سنوں گی۔ میرا کلیجہ کٹا جا رہا ہے۔

لکشمی۔ (اشارہ کرتی ہے)

سورج۔ اچھا . . . نہ جاؤں گا . . . (مگر روپا کی گھبراہٹ اور بڑھتی ہے)

خورشید۔ (خمیرہ لاتا ہے باورچی خانہ کی طرف بھاگتا ہے۔ دروازے پر رک کر جوتا اتار کر اندر جاتا ہے اور چمچہ لئے نکلتا ہے)

(روپا کو دوا کھلائی جاتی ہے۔ عائشہ نہ جانے کس عالم میں بیٹھی ہے اسے کچھ خبر نہیں)

لکشمی۔ (اسے دیکھ کر) خالہ جی تم بھی ایک چمچہ کھا لو۔

عائشہ۔ (پیار سے دیکھتی ہے پھر سر ہلاتی ہے) صبح کھائی تھی۔

مہارن۔ ارے منیا کہیں ان دواؤں سے کچھ ہووے ہے، ان دکھیاریوں کے

دل کی کون دوا۔ جب سے کٹی ہوئی لاش دیکھی جی۔ جانو لوٹ گیا۔

لکشمی ۔ ارے چپ رہو منہارن ماں . . . . . تم تو اور بھی۔

منہارن۔ (بگڑ کر) لے واہ ری بہو۔ بڑوں کو ایسے بولتے لاج ہی نہیں آتی۔

لکشمی ۔ تو پھر۔

روپا ۔ (سنبھل جاتی ہے) چپ رہ بہو۔

سورج ۔ لیٹی رہو اماں۔

روپا ۔ نہیں۔ اب جی اچھا ہے (مسکرا کر عائشہ کو دیکھتی ہے وہ بھی مسکرا دیتی ہے مطلع صاف ہو جاتا ہے)

سورج ۔ (بچوں کی طرح بہلاتا ہے) اے بھئی خالہ جی ایک دن چنپا باغ چلیں۔

خورشید۔ ہاں بھئی . . . ماسی ویسی کچوریاں بنوانا لچھی سے۔

لکشمی ۔ ہنہ ہیں تو نہ بناؤں گی۔

خورشید۔ (برا مان کر سورج کی طرف دیکھتا ہے)

سورج ۔ بنائے گی کیسے نہیں۔

لکشمی ۔ بناؤں گی تو پران کو نہ دوں گی۔

خورشید۔ (مظلوم صورت بنا کر روپا کو دیکھتا ہے)

روپا ۔ (پیار سے ہنس دیتی ہے) اے واہ کیسے نہیں دے گی۔ وہی تو یہ شوق سے کھاتا ہے۔

لکشمی ۔ کھانے کا شوق ہے تو بیاہ کر کے لائیں۔ بہو بنائے گی۔

خورشید۔ ارے تو کیا کسی سڑک پر سے پکڑ لاؤں کہ چل بنا کچوریاں۔ یہ تمہاری

ساس کریں بھی جب تو۔

عائشہ۔ چپ رہ لڑکے۔

لکشمی۔ کاہے کو چپ رہے۔ سچی خالہ جی ہمارا تو جی گھبراتا ہے۔ کیسے ناان کا بیاہ۔

خورشید۔ ارے یہ بیاہ ویاہ نہ کریں گی۔ ہم تو یوں ہی جائیں گے نا کٹھے۔ چلو جی سورج۔

سورج۔ (چلنے کو تیار ہوتا ہے) پانی دینا (لکشمی سے)

خورشید۔ (لچھی کا دوپٹہ کھینچ کر گھونگٹ نکال دیتا ہے) کیسی بے شرم بہو ہے گھونگٹ بھی نہیں کاڑھتی۔

لکشمی۔ ہنہہ ۔ ۔ ۔ کیا کاڑھوں۔

خورشید۔ جیٹھ ہوں میں ۔ ۔ ۔ کیوں اماں؟ میں سورج سے بڑا ہوں نا ۔ ۔ ۔ پورا ڈیڑھ مہینہ۔

لکشمی۔ تب بھی نہیں کاڑھتے لو ۔ ۔ ۔ (زور سے دوپٹہ سر سے اتار دیتی ہے)

خورشید۔ اچھا آنے دو میری بیوی کو۔ وہ تمہاری ٹھکائی کرے گی کہ بس۔

لکشمی۔ اجی کی۔ کہیں ہم دونوں مل کر ہی آپ کی مرمت نہ کر دیں کہ مزا آجائے۔

خورشید۔ (سورج کی طرف شکایتاً دیکھتا ہے)

سورج۔ (اشارے سے کہتا ہے مجبوری ہے) پر تم دونوں کی لڑائی تو ضرور ہو گی۔

لکشمی۔ واہ کیوں ہو گی لڑائی۔ جی رہنے دیجئے ہم لوگ نہیں لڑا کرتے۔

خورشید۔ (سورج سے) یار بڑی تیز زبان ہو گئی ہے اس کی۔ ذرا سی کتر ڈالو نا۔

عائشہ۔ ٹھیک تو کہتی ہے بہو۔ یہ مرد ہی ہیں جن میں آئے دن سر پھٹول ہوتی رہتی ہے۔

خورشید۔ (لاجواب ہو کر) لو بھیّا چلو اب حملہ شروع ہو گیا (دونوں جانے لگتے ہیں)

منہارن۔ (ڈرتے ڈرتے) ویسے نہیں کہتی بیٹا، یہ آج ہسپتال کے نکڑ پہ تین خون ہوئے ہیں۔ ملیٹری ڈیوٹی کھڑی ہے۔

پڑوسن۔ ارے لڑکے تو کیا جھوٹ ہے۔ گلی گلی چھریاں چل رہی ہیں کہ نہیں۔

روپا۔ (سہم کر عائشہ کو دیکھتی ہے)

سورج۔ (لکشمی سے پانی لے کر) ارے کیا گپیں مارتی ہو چندا ماسی۔ منہارن کی دیکھا دیکھی تمہیں بھی شوق چرایا۔

منہارن۔ ارے جا جا۔ کل کا لونڈا . . . . .

عائشہ۔ سچ ہے منہارن بی تم تو بہت ہی بے پر کی اڑایا کرتی ہو۔ اس دن سڑ پڑ کرتی آئیں۔ لے کہنے لگیں کہ وہ گھسیٹا ہے نا اس کے جڑواں لونڈے ہوئے ہیں۔

خورشید۔ (منہارن کے پاس اکڑوں بیٹھ کر) گھسیٹا کے۔

منہارن۔ اے ہٹ ادھر اس کی جورو کے۔ اے تو کیا میں نے جی سے کہہ دیا۔ مجھ سے تو نتھو کی بہو نے کہا تھا۔ کہ اس کی خالہ گئی تھی تو . . . .

سورج۔ تو اس کی نانی نے بتایا تھا کہ اس کے چچا نے فرمایا تھا کہ اس کے پھوپھا

(سب زور سے ہنستے ہیں)

منہارن۔ (کھسیا کر) اے ہٹو میں جاؤں۔ نہ چوڑیاں پہنو نہ کچھ۔ بے ناق کو میری کھوٹی کری۔

روپا۔ تم سے کہہ دیا تھا میّا کہ چوڑیاں نہیں چاہئیں۔ پر تم . . . .

عائشہ۔ باتیں مٹھارنے کو مٹھ گئیں۔

منہارن۔ اچھا بابا ۔ ۔ ۔ ۔ جاویں ہیں بس (گٹھڑی باندھنے لگتی ہے)
خورشید۔ اے بوا بگڑو مت (ہاتھ بڑھا کر) لو تم مجھے چوڑیاں پہنا دو۔
منہارن۔ (سب کے ہنسنے سے جل کر زور سے خورشید کا ہاتھ جھٹک دیتی ہے اے
چل یاں سے۔ بڑا سیانا بنے ہے۔ ہم سے مذاق کرے ہے۔)
لکشمی۔ (سورج کے ہاتھ سے گلاس لے کر دو بوند پانی خورشید کے سر پر ڈال
دیتی ہے) مارو منہارن ماں انہیں۔
خورشید۔ (اوو ۔ ۔ ۔ ۔ کر کے کھڑا ہو جاتا ہے لکشمی کو ہنستا دیکھ کر) اچھا سورج
کا کندھا پکڑ کر ہلاتا ہے) دیکھ بے سورج۔ یہ تیری بیوی۔
سورج۔ تو میں کیا کروں۔ ہٹ۔
خورشید۔ (آستین چڑھا کر) اچھا ۔ ۔ ۔ ۔ ٹھہرو ذرا لکشمی بیگم۔
لکشمی۔ (بھاگتی ہے)
روپا۔ ارے نا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
عائشہ۔ ہوں ۔ ۔ ۔ ہوں ۔ ۔ ۔ ارے او خورشید۔ الٹی سیدھی چوٹ آجائے گی۔
خورشید۔ (گھیر کر لکشمی کو پکڑ لیتا ہے) اب بولو۔ تم رہنے دو۔ اماں آج میں
اسے ٹھیک کروں گا۔ اب بتا۔
روپا۔ (چھ ہنس رہی ہے) بس رے ۔ ۔ ۔ چھوڑ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
خورشید۔ (ہاتھ پکڑتا ہے تو چوڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں)
روپا۔ (ایک دبی ہوئی چیخ مارتی ہے) آہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
خورشید۔ (سہم کر چھوڑ دیتا ہے)

سورج۔ (خوف زدہ ہو کر روپا پہ دورہ پڑتا دیکھتا ہے)
روپا۔ (لڑکھڑاتی کھڑی ہو جاتی ہے۔ دو قدم بڑھتی ہے)
عائشہ۔ (پتھر کے بت کی طرح بیٹھی رہتی ہے)
خورشید۔ (پریشان اور نادم سا ہو کر جھک کر زمین سے ٹوٹی چوڑی اٹھاتا ہے)
روپا۔ (زور سے چیختی ہے) . . . . نہ چھونا . . . یہ . . . یہ ٹوٹی ہوئی چوڑیاں (زور سے خورشید کو ایک طرف ہٹاتی ہے اور سورج کو دوسری طرف ڈھکیلتی ہے، بہو کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے۔ پھر سہم کر چوڑیوں کو دیکھتی ہے) . . . . یہ . . . . یہ . . . .
منہارن۔ تو یہ ہے . . . . صبیرے صبیرے سہاگن کی چوڑی ٹوٹے یہ کوئی اچھا شگن ہے۔
روپا۔ (کے کلیجہ پر گھن سا پڑتا ہے۔ تلملا اٹھتی ہے۔ گلا پھاڑ کر چلاتی ہے) دور ہو . . . . یہاں سے ڈائن کہیں کی . . . . نہ جانے کہاں سے آن مرتی ہے۔ (ایک دم سے دل پکڑ کر گرنے لگتی ہے)
سورج۔ (اسے سنبھال کر لٹا دیتا ہے)
منہارن۔ (نادم ہو کر) اے لو جی میں نے کیا کیا۔
پڑوسن۔ منہ بناتی ہے۔
منہارن۔ اشارے سے بتاتی ہے کہ دماغ خراب ہو گیا ہے۔
پڑوسن۔ اور کیا جب سے برج بابو کی کٹی ہوئی لاش دیکھی ہے بس دل کے دورے پڑنے لگے۔

منہارن۔ چہ چہ . . . . . آگ لگے میری زبان . . . . .

سورج۔ (خورشید سے) اب بتاؤ کیا کروں۔ ان لوگوں کی تو روز ہی یہ حالت ہوتی ہے اور آج کل میرے یہاں تو بہت کام ہے۔ چھٹی بھی تو نہیں ملے گی۔ تم نہ جاتے آج۔

خورشید۔ (سر ہلا کر) اونہنک۔ میں تو ابھی عارضی ہوں۔ جھٹ نکال دیا جاؤں گا۔

روپا۔ (ہوش میں آجاتی ہے اور سنتی ہے) ارے تم میری فکر نہ کرو۔ بیٹا میں تو . . . میں تو دیوانی ہو گئی ہوں۔ (منہارن سے) منہارن میّا . . . برا تو نہیں لگا۔ منہ سے بات نکل گئی۔ نگوڑا جی بھی تو ٹھکانے نہیں ہے۔

لکشمی۔ آپ لوگ جائیے پر جلدی آنے کی کوشش کیجئے گا۔

سورج۔ ہا . . . ہاں . . . کرفیو سے پہلے ہی آجاؤں گا۔ میرا کوٹ۔

لکشمی۔ (کرسی پر سے کوٹ اٹھا کر دیتے ہوئے چپکے سے پیار سے کہتی ہے) جلدی آیئے گا۔

سورج۔ (مذاق میں) نہیں۔ ہم آج بالکل نہیں آئیں گے۔

لکشمی۔ بھگوان نہ کرے . . . . آپ کو میری قسم (آنکھوں میں آنسو لانے کی دھمکی دیتی ہے)

سورج۔ (پیار سے) اچھا . . . بس کام ختم کر کے فوراً تمہارے پاس۔

لکشمی۔ (مسکرا کر منہ بناتی ہے)

خورشید۔ (جو دور کھڑا دونوں کی باتیں سن رہا ہے) چل بے سورج کے بچے۔

لکشمی۔ (دانت کچکچا کر رہ جاتی ہے)
منہارن۔ آہو۔ چوڑیاں پہن لے۔ یہ "دھانی بانکیں" نہیں تو لے یہ گلابی لچھا۔
پڑوسن۔ ارے منہارن وہ پہناؤ ۔ ۔ ۔ ربڑ کی چوڑیاں ۔ ۔ ۔ ربڑ کی چوڑیاں کبھی نہیں ٹوٹتیں۔
منہارن۔ اری بہنیا سہاگن کی چوڑی کبھی نہیں ٹوٹتی۔ پر جب ٹوٹتی ہے تو لوہے کی بھی ٹوٹ جاوے ہے۔ لا بیٹی ہاتھ دے۔ پہلے سیدھا بسم اللہ (لکشمی کو چوڑیاں پہنانے لگتی ہے)
روپا۔ (منہارن کی فلاسفی سے سہم کر) عائشہ آج لڑکے نہ جاتے تو اچھا تھا۔
لکشمی۔ (چونک کر مڑتی ہے تو چوڑی ٹوٹ جاتی ہے) اوہ!
عائشہ۔ نہیں بہن اللہ روز کی طرح اپنی رحمت کے صدقہ میں انہیں صحیح سلامت پہنچائے گا۔
منہارن۔ (لکشمی سے) ارے بہو سیدھی بیٹھ!
روپا۔ ہائے بھگوان پر میرا دل کیوں بیٹھا جاتا ہے۔
عائشہ۔ کچھ نہیں ذرا لیٹ رہو۔ اس پر بھروسہ رکھو۔ وہ بڑا کارساز ہے۔ کن مصیبتوں سے پالا پڑا ہے۔ اب اللہ نے چین دیا ہے تو کیا پھر وہ چھین لے گا۔
لکشمی۔ (کانپتی ہے تو پھر چوڑی ٹوٹتی ہے) رہنے دو میّا، ہیں نہیں پہنتی نہ جانے کیا ہو رہا ہے۔
منہارن۔ اے واہ لو اور سنو اتنی ڈھیر سی میری چوڑیاں توڑ ڈالیں اور اب ۔ ۔ ۔ واہ۔

عائشہ۔ اے تو لو یہ دام لے لو۔ (اٹھنی نکال کر پھینکتی ہے)
منہارن۔ (چپکے سے اٹھنی اٹھا کر) پر میں بھو کے ہاتھ ننگے تو نہ چھوڑ کر جاؤں گی۔ بدشگونی ہوگی۔ (پھر پہنانے لگتی ہے)
روپا۔ (عائشہ سے) کیا سچ مچ دو خون ہوئے؟
پڑوسن۔ اور نہیں تو کیا جھوٹ موٹ۔ ارے تم دو کا کہہ رہی ہو۔ موٹر کے اڈے پر تو جم کے اینٹ پتھر چلے۔ پولیس آئی۔ گولی چلی۔ کون جانے کتنے ڈھیر ہوئے۔
(۲) پڑوسن۔ ہا۔ . . چہ . . . . ہندو تھے کہ مسلمان۔
(۱) پڑوسن۔ ہندو ہی ہوں گے بے چارے۔ پولیس بھی تاک تاک کے بس ہندوؤں کو ہی مار رہی ہے۔
(۲) پڑوسن۔ ہاں! اور مسلمانوں کو تو بڑا چھوڑے دے ہے۔ پل کے نیچے چھ مرے . . . . سب بے چارے مسلمان۔
منہارن۔ ارے بوا نہ ہندو مارے گئے نہ مسلمان
(۳) پڑوسن۔ ایں تو پھر۔
منہارن۔ اے احمق مارے گئے۔ وہی مارتے مرتے ہیں۔
(۲) پڑوسن۔ ہاں یہی سزا ہے ان کی۔
منہارن۔ کن کی؟ وہ جو مارے گئے؟
(۲) پڑوسن۔ اور کیا۔ اَن پڑھ جاہل یہی مارتے ہیں۔ اور نہیں تو کیا راجے مہاراجے گلیوں میں سر پھٹول کرتے ہیں۔

منہارن۔ اور جو گھروں میں گھس کر سوتے ہوؤں کو حلال کر ڈالا۔
عائشہ ۔ ہے ہے!
منہارن۔ چھاتی سے لگے دودھ پیتے بچوں کے کلیجے کاٹ کاٹ کر نالیوں میں
ٹھونس دیا۔
لکشمی ۔ اوہ . . . (چوڑی ٹوٹتی ہے) ضبط کرنے کو منہ میں دوپٹہ ٹھونستی ہے۔
منہارن۔ ماؤں کی آنکھوں کے سامنے بچوں کو قتل کر ڈالے۔ باپ بھائی کے
سامنے لڑکیوں کی عزت لوٹی۔
لکشمی۔ اوہ . . . . (بری طرح لرز کر ایک طرف دبک جاتی ہے)
منہارن۔ کتنوں کو زندہ در گور کر دیا۔
لکشمی ۔ (گھٹی ہوئی چیخ مار کر بے حال ہو جاتی ہے)
روپا ۔ (بری طرح کلیجہ مسوس لیتی ہے)
عائشہ ۔ اے غارت ہو یہاں سے (اٹھ کر لکشمی کو سنبھالتی ہے) خاک تمہارے
منہ میں . . . . لے بیٹی جلدی سے پہن لے (منہارن سے) اے
بڑھیا پہنا چک نا۔ کہ بیٹھی کھیل رہی ہے۔
منہارن۔ اے تو وہ کل سے بیٹھے جب نا برابر تو ہلے جاوے ہے۔
۲۔ پڑوسن۔ سنا ہے بھول گئی ہیں تو چار آدمیوں کو ایک گاڑی سے باندھ کر
زندہ جلا دیا۔
۱۔ پڑوسن۔ اور سنا ہے دو لاشیں تو صبح سے پڑی تھیں۔ لوگوں نے کوٹ کوٹ
کر قیمہ بنا دیا تھا۔ ایک کا سر تو پتھر سے بارہ دفعہ کچلا۔

۲۔ پڑوسن۔ بارہ دفعہ۔

۱۔ پڑوسن۔ (مزا لے کر) ہاں بارہ دفعہ سارا بھیجہ نکل کر سڑک پر یوں بہہ رہا تھا۔ تمام۔ اِدھر اُدھر سے بچے آتے تھے اور لاٹھیوں سے پیٹتے تھے۔

لکشمی۔ آہ ۔ ۔ ۔ ۔ بچے۔

منہارن۔ ہاں بیٹی۔ ذرا سیدھی بیٹھ۔ جب شیطان سر پر سوار ہو جاتا ہے تو پھر ذرا ذرا سے بچے بھی خونی ہو جاتے ہیں۔

لکشمی۔ (روتے ہوئے) ہائے رام کیسے پتھر کے کلیجے ہوں گے۔

منہارن۔ اری بیٹی ان کے کلیجے نہ گردے۔ یہ تو بھوت ہیں بھوت آسیب!

لکشمی۔ (سہم کر) آسیب!

منہارن۔ (دبی ہوئی آواز سے) ہاں، ذرا باہر جاکر دیکھو تو سارا شہر جانو مرگھٹ بنا پڑا ہے۔ گلیاں پڑی بھائیں بھائیں کر رہی ہیں۔

۱۔ پڑوسن۔ ہا، کیا شوبھا تھی شہر کی۔ سب لٹ گئی۔

منہارن۔ (پڑوسن سے) ارے جب بھرے پورے گھر لٹ گئے۔ سہاگنوں کی مانگیں اُجڑ گئیں، ماؤں کی گودیں خالی ہو گئیں تو پھر کیا رہ گیا۔

لکشمی۔ (پھر لرزنے لگتی ہے)

منہارن۔ جانو شہر میں ہیضہ کی طاعون پھیلی ہے۔ جس گھر سے سنو بین کی پکار آرہی ہے۔

لکشمی۔ چھوٹے چھوٹے ۔ ۔ ۔ بچے۔

منہارن۔ بچے بوڑھے جوان، جس کی موت آئی۔

۲-پڑوسن۔ سنا ہے ایک اسی برس کے بوڑھے کو لاٹھیوں سے کوٹ کوٹ کر بھرتہ بنا دیا۔

منہارن۔ عورتوں کو پکڑ پکڑ کر لے گئے اور بازار میں کوڑے کر دیئے۔

۱-پڑوسن۔ اور بھئی بہار میں تو نواکھلی کا بدلہ لیا ہے۔

عائشہ۔ اری یہ کیسا بدلہ۔ مارو ں گھٹنا اور پھوٹے آنکھ۔ کریں نواکھالی والے اور بھگتیں بہار والے۔ لوگو یہ کیسا بدلہ ہے۔

۲-پڑوسن۔ لڑائی میں تو یہی ہوتا ہے۔

منہارن۔ اری رہنے بھی دے بہنیا۔ یہ لڑائی ہے؟ مردوں کی لڑائی اسی کو کہتے ہیں۔ ارے لڑنا ہے تو مردانگی سے خم ٹھوک کر میدان میں جا کے لڑو۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھاؤ۔ یہ کیا کہ پاگل بھیڑیوں کی طرح نہتے، بے کس عورتوں بچوں پر ٹوٹ پڑے نگاری بوا، یہ لڑائی مردوں کی تو نہیں۔

۲-پڑوسن۔ سچ کہتی ہے بوا۔ اور کیا۔ یہ تو کوئی وبا ہے جو سروں پر سوار ہو گئی ہے۔

لکشمی۔ ہے رام کوئی منع کیوں نہیں کرتا بے قصور کیوں مارتے ہیں۔

پڑوسن۔ کون منع کرے۔ آنکھوں پر چربی آجائے تو پھر کسی کو کچھ نہیں سوجھتا۔

منہارن۔ (پھر چٹخارہ لے کر) سنا ہے، ایک عورت کے پانچوں بچوں کو اس کی چھاتی پر لٹا کر کاٹا ہے۔

لکشمی۔ ہائے! (لرزتی ہے اور اپنا ہاتھ چباتی ہے)

۱-پڑوسن۔ اور وہ جیتی رہی۔ بچوں کی لاشیں چھاتی سے لگائے پڑی رہی۔ پاگل

ہو گئی ہے، کیوں منہارن بوا؟

منہارن۔ اور کہیں ہیں کہ پیٹ والیوں کے پیٹ چیر کر۔ ۔ ۔ ۔

لکشمی۔ (ہیبت سے آنکھیں پھٹ جاتی ہیں)

۲۔پڑوسن۔ بچے نکال لئے اور برچھیوں میں پرو کر۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۔پڑوسن۔ (لکشمی کی حالت غیر دیکھ کر ٹھوکے سے منہارن کو منع کرتی ہے) اے بوا!

لکشمی۔ (بری طرح تڑپ کر چیخ مارتی ہے) اُووہ۔ ۔ ۔

روپا۔ (جو خود بری طرح لرز رہی ہے اٹھ کر جھپٹتی ہے) دور ہو یہاں سے ڈائنوں (نڈھال لکشمی کو کلیجہ سے لگا لیتی ہے) میری بچی! (منہارن سے) غارت ہو یہاں سے چڑیل اس کومل سی بچی کا کلیجہ ہلائے ڈالتی ہے۔ اور جو بھگوان نہ کرے اسے کچھ ہو گیا تو۔ ۔ ۔ ۔ میں کیا کروں گی؟ نکلو دور ہو یہاں سے!

منہارن۔ (منہ پھلا کر) اے واہ اتنی ڈھیر سی میری چوڑیاں توڑ ڈالیں۔

روپا۔ (پیسے دے کر) لو۔ ۔ ۔ لو۔ ۔ ۔ اور جاؤ۔ ۔ ۔ (لجاجت سے) ہم ویسے ہی دکھیا ہیں۔ ارے ہمیں ستا کر کیا ملے گا تمہیں۔

منہارن۔ اچھا بابا جاویں ہیں۔ ۔ ۔ ۔ میں تو تمہارے ہی بھلے کی کہہ رہی تھی۔ جو یہ شہر چھوڑ کر چلی جاؤ تو اچھا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عائشہ۔ اری میّا تو کہاں چلے جائیں جدھر دیکھو ہی آگ بھڑک رہی ہے۔ اب تو چاروں کھونٹ شعلے پھیل گئے ہیں۔ یا مولا رحم کر۔

پڑوسنیں۔ (بڑبڑاتی چلی جاتی ہیں)

منہارن۔ تم جانو۔ . . . . اچھا میں تو چلی۔ (جاتی ہے)

(تاریکی آہستہ آہستہ بڑھنے لگتی ہے۔ تینوں عورتیں قریب قریب کھسک آتی ہیں۔ تاریکی بھی سمٹ آتی ہے۔ خاموشی سے اکتا کر وہ اور بھی قریب آجاتی ہیں۔ روشنی ان پر صرف ایک دائرہ میں رہ جاتی ہے اور پھر وہ دائرہ چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسٹیج پر گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے)

(پردہ اٹھتا ہے تو روپا پلنگڑی پر بیٹھی نظر آتی ہے۔ بے کار سی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی ہے۔ ہاتھوں کی پریشان لرزش سے اس کے دل کی کیفیت معلوم ہوتی ہے پاس لکشمی بیٹھی سوئٹر بن رہی ہے۔ سوئٹر چھوڑ کر گھڑی کو دیکھتی ہے اور اس میں کوک بھرتی ہے۔ روپا مڑ کر اس کی اس حرکت کو دیکھتی ہے تو جلدی سے گھڑی رکھ کر شرمندہ ہو کر سوئٹر بننے لگتی ہے۔ روپا اس کی اس حرکت سے اور بھی پریشان ہو جاتی ہے)

روپا۔ (جھلا کر) بہو، کیوں بار بار گھڑی کو اینٹھتی ہے۔ ٹوٹ جائے گی۔

لکشمی۔ (سر جھکا لیتی ہے)

روپا۔ (لکشمی کی عاجزی سے دل دکھ جاتا ہے پیار سے کہتی ہے) پگلی کہیں کی۔ کوک دینے سے گھڑی کوئی جلدی چلنے لگے گی۔

لکشمی۔ (خفیف ہو کر) نہیں تو۔

روپا۔ (اور پیار سے) جا کھانا بنا لے۔ ہاں دیر ہو جائے گی تو لڑکا بگڑے گا۔

جا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لکشمی ۔ ترکاری تیار ہے پراٹھے ڈال لوں ۔

روپا ۔ ہاں اور تھوڑی کچوریاں بھی تل ڈلے ۔ خورشید کہتا تھا کہ کھانے کو جی کرتا ہے ۔ وہ لوگ آتے ہی ہوں گے ۔

لکشمی ۔ ابھی تو تین بجے ہیں ۔

روپا ۔ (جھلا کر) ہاں ہاں ۔ ۔ ۔ تو کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ بنانے میں دیر بھی لگے گی کہ نہیں ۔

لکشمی ۔ (سوئٹر رکھ کر جاتی ہے) اچھا ۔

(تنہائی میں روپا پھر کانپنے لگتی ہے اور گھبرا گھبرا کر چاروں طرف دیکھتی ہے ۔ بے کاری سے اکتا کر وحشت سے بچنے کے لئے گٹھڑی کھول کر سینے کی کوشش کرتی ہے ۔ مگر ہاتھ قابو میں نہیں ۔ کچھ کام نہیں ہوتا ۔ کبھی تاگہ چھوٹ جاتا ہے اور کبھی سوئی ۔ عاجز ہو کر خاموش کچھ سوچنے لگتی ہے ۔ اتنے میں روشنی سمٹ کر اس کے چہرے پر آ گئی ہے ۔ ایک دم آنکھوں سے وحشت برسنے لگتی ہے اور کانوں میں ۔ ۔ ۔ "مارو ۔ ۔ ۔ مارو ۔ ۔ ۔ لینا ۔ ۔ ۔ لینا" کی دل دوز آواز آتی ہے ۔ جو آہستہ آہستہ بڑھ کر اسے مفلوج کر دیتی ہے ۔ روپا کلیجہ پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے ۔ اور زور سے چلاتی ہے)

روپا۔ بھو۔ ۔ ۔ ۔ بھو (آواز ایک دم رک جاتی ہے)
لکشمی۔ (اندر سے بھاگتی نکلتی ہے آٹے میں ہاتھ بھرے ہیں) کیا ہے ماں ۔ ۔ ۔ ۔ ماں ۔ ۔ ۔ ۔
روپا۔ (اپنے کانوں کی دھوکہ بازی کو سمجھ کر شرمندہ ہو جاتی ہے) کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ جاؤ ۔ ۔ ۔ ۔
لکشمی (جانے کو مڑتی ہے)
روپا۔ (لکشمی کے ہٹتے ہی روشنی کا دائرہ پھر چھوٹا ہونے لگتا ہے۔ سہم کر کہتی ہے) اے بھو۔
لکشمی۔ (جو خود نہیں جانا چاہتی) جی۔
روپا۔ آ ۔ ۔ ۔ ذرا (کہتے جھجکتی ہے) ٹھہر ۔ ۔ رہنے دے پراٹھے ابھی سے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ آ ۔ ۔ ۔ بیٹھ جا میرے پاس۔
لکشمی۔ آتی ہوں، ذرا ہاتھ دھو ڈالوں (مڑتی ہے پھر سوچ کر) خالہ جی کو بلا دوں۔ اب تو نماز پڑھ چکی ہوں گی۔
روپا۔ (اس کی رائے سے خوش ہو کر) ہاں، بلا دے ۔ ۔ ۔ کہہ وہاں اکیلی کیا کر رہی ہیں۔ ہاں، اور پراٹھے ڈال ہی لے، دیر ہو جائے گی۔
لکشمی۔ (عائشہ کی طرف جاتی ہے) خالہ جی، نماز پڑھ چکی ہو تو ذرا اماں کے پاس آجایئے۔
عائشہ۔ اچھا بیٹی۔
لکشمی۔ (اطمینان دلانے کو) ابھی آتی ہیں۔ (چلی جاتی ہے)

روپا۔ ہوں۔(مطمئن ہو کر ذرا لیٹ جاتی ہے۔)

عائشہ۔ (دبے پیر روپا کے سرہانے آکر کھڑی ہو جاتی ہے اس کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور لب پر خدا کا نام ہے۔ تھوڑی دیر کھڑی محبت اور رحم بھری نظروں سے اسے دیکھتی ہے۔ پھر اس پر دم کرتی ہے)

روپا۔ (دم کی ہوا سے آنکھیں کھول کر مسکرا پڑتی ہے۔ اشارے سے اسے اپنے سرہانے بٹھا کر اس کا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھ کر پھر آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ عائشہ محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتی ہے)

روپا۔ (سرور میں آنکھیں بند کئے ہوئے) عائشہ۔

عائشہ۔ کیا؟

روپا۔ اگر تم میرے پڑوس میں نہ ہوتیں تو میں کیا کرتی۔

عائشہ۔ (مسکرا پڑتی ہے) وہی جو میں تمہارے بنا کرتی۔

روپا۔ (آنکھیں کھول کر اسے بڑی عزت کی نظروں سے دیکھتی ہے) نہیں عائشہ تمہارا دل بڑا مضبوط ہے۔

عائشہ۔ (اداسی سے ٹھنڈی سانس بھر کر) میرا دل . . . ہنہ بس دھڑک رہا ہے۔ جب تک سانس کی ڈوری چلتی ہے ورنہ اب تو . . . (گلا رندھ جاتا ہے)

روپا۔ (حیرت سے اس کی کمزوری کو دیکھتی ہے اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے) تم بہت ہمت والی ہو۔

عائشہ۔ (ذرا غرور سے مسکرا کر) بڑی بھی تو ہوں تم سے۔

روپا۔ (جوانی کی لچی کھچی شوخی سے) اوہو ہو۔ ۔ ۔ بھلا کتنی بڑی ہو گی۔
عائشہ۔ (ڈھینگ مارتے ہوئے) اے جب تم بیاہ کر آئی تھیں تو کتنی تھیں۔ یہی
کوئی تیرہواں سال ہو گا اور میں پورے پندرہ کی تھی۔
روپا۔ ہنہ بہت بڑی ہوئیں۔ یہی ڈیڑھ سال۔
عائشہ۔ بات کرنے کا سلیقہ بھی نہ تھا۔ مارے شرم کے گٹھڑی بنی جاتی تھیں۔
روپا۔ (ہنس پڑتی ہے) مگر پڑوس میں تمہارے سوا تھا بھی کون بات
کرنے لائق۔
عائشہ۔ (اپنی ستائش سے جھینپ کر) یہ تو نہ کہو سہیلیاں تو بہت تھیں تمہاری۔
روپا۔ (بڑی شرارت سے) پر تم جیسی کسی سے نہ گھٹی۔
عائشہ۔ ہاں! یہ تو بات ہے، یاد ہے جب سورج ہونے کو تھا تو۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ اے ہے (ہنستی ہے) بہت ہی بھولی تھیں تم تو۔
روپا۔ پر تم نے بڑی دیکھ بھال کی تھی میری۔ راتوں کو جاگنا بھلا کاہے
کو تمہیں میرا اتنا خیال تھا؟
عائشہ۔ (معصومیت سے) اللہ جانے۔
لکشمی۔ (آکر ان کے پیچھے کھڑی دوپٹہ سے ہاتھ پوچھ رہی ہے۔ ان کی
باتیں سنتی جاتی ہے)
روپا۔ کون جانے پچھلے جنم میں ہم دونوں بہنیں ہوں۔
عائشہ۔ (اس انکشاف سے متحیر ہو کر) ہیں؟ ہاں۔ اور پھر خدا نے ہمارا
امتحان لینے کو الگ الگ پیدا کر دیا۔

روپا۔ اتنا الگ پیدا ہو کر بھی ہم پل گئے۔ (لکشمی کو دیکھ کر جھینپ جاتی ہے)

لکشمی۔ (مسرت سے دونوں کو دیکھ کر) ارے خالہ جی آپ کی اور اماں کی صورت بھی تو ملتی ہے۔

روپا۔ (خوشی سے ہنس کر) ہاں یہ تو بہت لوگ کہتے ہیں۔

لکشمی۔ (حیرت اور خوشی سے مڑ کر سامنے آجاتی ہے) ارے رام تو پھر کہیں آپ سچ مچ بہنیں ہی نہ ہوں!

عائشہ۔ (ہلکے سے اس کے گال کو چھو کر، پگلی، ہیں ہی جو سب باوا آدم کی اولاد ہیں نا۔

لکشمی۔ (ایک دم فکر مند اور اداس ہو کر) تو پھر کیوں یہ آئے دن جھگڑے ہوتے ہیں۔

(ایک دم سے دونوں بڑھیوں کے چہروں پر کی عارضی چمکیلی مسرت اڑ جاتی ہے اور وہ بے کسی سے ایک دوسرے کو تکتی ہیں۔ روپا غصہ ہو کر لکشمی کو دیکھتی ہے جیسے اس نے ان کے سجے سجائے گھروندے میں ٹھوکر مار دی)

لکشمی۔ (شرمندہ ہو کر عفو بھری نظروں سے انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیتی ہے) اماں . . . . . .

عائشہ۔ (موقعہ کو سنبھالتی ہے) ارے تو کیا سگے بھائی بھائی نہیں لڑتے۔

لکشمی۔ ایسے ایسے جنگلی جانوروں کی طرح؟ خالہ جی ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو . . . لاچار عورتوں کو . . . انہیں کیوں مارا۔

روپا ۔ (لاجواب اور کھسیانی ہو کر) جا . . . بیٹی ترکاری نہ جل جائے۔
لکشمی ۔ (ناامید ہو کر) بہت اچھا ماں (اٹھ کر جانے لگتی ہے)
عائشہ ۔ (کندھے پر ہاتھ رکھ کر روک لیتی ہے) سچ کہتی ہے یہ بیٹی پر انسانوں
پر جب بھوت سوار ہو جاتا ہے تو پھر وہ بھی بھوت بن جاتے ہیں۔
یہ بدبلا پھر تو آنکھیں بند کر کے جو سامنے آجائے اسے ہڑپ کر جاتی ہے۔
لکشمی ۔ پر کیوں ۔
عائشہ ۔ جیسے گندے تال تلیوں سے بیماریاں پھیلتی ہیں ۔ ایسے ہی گندے
دلوں کی کھوٹ آپس کی بھول بن جاتی ہے شیطان سب شیطان
کے کرتوت ہیں ۔
لکشمی ۔ شیطان کو بھگوان روکتے بھی نہیں ۔
روپا ۔ روکیں گے، ضرور روکیں گے ۔
لکشمی ۔ اے بھگوان تو پھر کب روکو گے ۔ (گھٹنے پر سر رکھ دیتی ہے)
روپا ۔ چنتا نہ کرو میری لاڈو، جب ہمارا مہاتما جنم لے گا تو یہ بھیانک بادل
دیش پر سے چھٹ جائیں گے ۔
لکشمی ۔ (شرما جاتی ہے)
عائشہ ۔ انسان کے دل میں نفرت ہے تو محبت بھی ہے ۔
لکشمی ۔ (شک سے سہم کر) ہائے بھگوان کہیں بے چارے پریم کو بھی
کسی ملیچھ نے نہ مار ڈالا ہو۔
عائشہ ۔ محبت کبھی نہیں مرتی، سو جاتی ہے، پھر جاگ اٹھتی ہے ۔

لکشمی ۔ (مسرت سے) جاگ اٹھے گی ۔
عائشہ ۔ ہاں، تب پچھتاوا آئے گا ۔ بے گناہوں کا خون یاد آکر ڈرائے گا ۔
روپا ۔ (ہوا میں سونگھ کر) جا بیٹی ایسے جان پڑتا ہے ترکاری لگ گئی ۔
لکشمی ۔ (کچھ ڈھارس بندھ گئی ہے، بھاگ جاتی ہے)
روپا ۔ (ٹھنڈی سانس کھینچ کر التجا بھری آواز سے) اے پرمیشور ایسے گندے سمے میں کسی کو جنم نہ دے ۔ اے پربھو جی یہ بلا دور ہو جائے تو ساٹھ برہمنوں کو بھوگ لگاؤں گی ۔ (عائشہ سے) تم کچھ نہیں کرتیں ۔
عائشہ ۔ (شکست خوردہ ہو کر) تین چلّے کھینچ چکی ہوں ۔ چوتھا شروع کیا ہے ۔ اجمیر شریف پر منت بھی مان لی ہے ۔ پر دیکھو خدا کب سنتا ہے ۔
روپا ۔ (اطمینان دلانے کو بڑے وثوق سے) سنے گا ۔ ضرور سنے گا ۔ تم جیسی بھگتنی کی نہ سنے گا تو پھر کس کی سنے گا ۔ وہ لڑکوں کے لئے تم نے تعویذ نہیں منگائے ۔
عائشہ ۔ کل آجائیں گے ۔

(دونوں خاموش ہو کر سوچنے لگتی ہیں ۔ روشنی کا دائرہ سمٹ کر عائشہ کو گھونٹتا ہے ۔ چہرہ پر کرب طاری ہو جاتا ہے اور وہی بھیانک پکار "مارو . . . مارو . . . لینا . . . پکڑنا —" کانوں میں پہلے آہستہ آہستہ پھر زور سے آنے لگتی ہے)

عائشہ ۔ (وحشت زدہ آنکھیں پھاڑے گلے کو نوچنے لگتی ہے) اوہ . . . اوہ ۔

روپا۔ (جو یہ آواز نہیں سن رہی ہے چونکتی ہے) کیا ہوا ۔ ۔ ۔ عائشہ۔

عائشہ۔ (آواز ایک دم سے بند ہو جاتی ہے) یہ سنا۔

روپا۔ کیا؟ (لکشمی نکل کر پیچھے آن کھڑی ہوتی ہے)

عائشہ۔ (آواز کو پھر کان میں پکڑنے کی کوشش کرتی ہے) یہ ۔ ۔ ۔ یہ ۔ ۔ ۔ تم نے سنا؟

روپا۔ (تجربہ کی بنا پر سمجھ کر) تو تم نے بھی سنا۔ (اطمینان سے کہ یہ صرف اس کا ہی وہم نہیں) میں جانتی تھی کہ میرے ہی کان بج رہے ہیں۔

لکشمی۔ (جو چپکی کھڑی سن رہی ہے سہم کر) کیا؟ ۔ ۔ ۔ کیا؟ ۔ ۔ ۔ میں نے تو کچھ نہیں سنا۔

روپا۔ (دونوں ڈر جاتی ہیں بات ٹال دیتی ہیں) کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ کچھ بھی نہیں ۔ ۔ ۔ کچھ بھی تو نہیں۔ (ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتی ہیں)

لکشمی۔ (سہمی ہوئی دونوں کے بیچ میں آن گھستی ہے اور غور سے ان کے چہروں میں کچھ تلاش کرتی ہے)

روپا۔ (ڈر کر کہ کہیں وہ بھی خوف ناک صدا نہ سن لے) تو جا ۔ ۔ ۔ جا ۔ ۔ ۔ سو جا ذرا دیر کو سو جا۔

لکشمی۔ (سہمی ہوئی) نہیں، وہاں مجھے ڈر لگتا ہے۔ (سوکھے ہوئے گلے سے) جانو کوئی لال لال خون بھری تلوار لئے بیٹھا ہے۔ مجھ سے کوٹھڑی میں بھی نہیں جایا جاتا۔

عائشہ۔ اچھا، اچھا یہاں لیٹ جا ۔ ۔ ۔ (زانو پر سر رکھ کر لٹا لیتی ہے)

(بھیانک خاموشی میں روشنی کا دائرہ چھوٹا ہو کر تینوں کے گرد سمٹنے لگتا ہے۔ لکشمی سہمی ہوئی سر اٹھا کر خلا میں کچھ سننے کی کوشش کرتی ہے۔ ٹوٹا پھوٹا ڈراؤنا میوزک کانوں میں رینگتا ہے، دائرہ چھوٹا ہو کر لکشمی کا دم گھوٹنے لگتا ہے وہی ہذیانی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ "مارو مارو . . . . لینا . . . . لینا" کی آواز اسی طرح کانوں میں گونجتی ہے۔ چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی ہے)

لکشمی۔ (آنکھیں پھٹی ہوئی ہیں۔ ہونٹ خشک) آہ . . . .

روپا۔ بہو!

لکشمی۔ (چہرہ وحشت کے مارے زرد پڑ گیا ہے اور عائشہ سے چمٹ جاتی ہے) یہ . . . . یہ سنا؟ میں نے بھی سنا۔

عائشہ۔ کیا؟ . . . . بہو؟

لکشمی۔ مارو . . . مارو . . . لینا . . . لینا۔ سنا؟

روپا۔ (اسے کلیجہ سے لگا کر بھینچ لیتی ہے) میری بچی۔

عائشہ۔ (روپا کو اشارے سے منع کر کے) کیا، کیا؟ وہم ہے۔ کان بجتے ہیں۔ ہم نے تو کچھ نہیں سنا۔

لکشمی۔ (دور ہٹ کر) نہیں، میں نے سنا۔ شی، چپ، دھیان سے سنو۔ (تینوں بڑے غور سے سننے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر موت کا سناٹا چھایا رہتا ہے کہ ایک دم سے کوئی کنڈی کھٹکھٹاتا ہے)

آواز۔ اے . . . سورج کی ماں۔

(تینوں کی چیخ نکل جاتی ہے)

روپا۔ میرا لال . . . میرا سورج . . . (چیختی دروازے کی طرف دوڑتی ہے) میرا چاند (دروازہ کھولتی ہے ایک آدمی کھڑا ہے)

کہاں ہے میرا لال . . . میرا سورج۔

آدمی۔ ارے ارے، گھبراؤ نہیں۔ خورشید کی ماں . . .

عائشہ۔ (کلیجہ پکڑ کر بے حس و حرکت رہ جاتی ہے)

لکشمی۔ (ہاتھ سے اپنی کلائی پر مضبوطی سے چوڑیوں کو پکڑے سناٹے میں رہ جاتی ہے)

آدمی۔ (بڑا گھبرا جاتا ہے) ارے وہ ڈاکٹر مکرجی کے یہاں فون آیا ہے۔

روپا۔ (لڑکھڑا کر دیوار سے سہارا لیتی ہے وہاں سے نیچے گر جاتی ہے)

آدمی۔ باپ رے . . . (لکشمی کو دیکھ کر اور گھبراتا ہے) سورج کا فون آیا ہے (نہایت مجرمانہ انداز سے) کہ وہ اور خورشید کرفیو کی وجہ سے آج رات کو مرزا جی کے یہاں رہیں گے . . . اور مزے میں ہیں دونوں کوئی فکر نہ کریں۔ نمستے! (لپک کر بھاگ جاتا ہے مجرموں کی طرح)

لکشمی۔ (ایک دم اطمینان کا سانس لیتی ہے لپک کر طاق میں رکھی مورتی کے آگے ماتھا ٹکا کر اطمینان کی سانسیں لینے لگتی ہے)

عائشہ۔ (آہستہ آہستہ خود ہی چونک کر لرزتے ہوئے ہاتھ آسمان کی

طرف اٹھا دیتی ہے)

روپا۔ (آنکھیں کھولتی ہے) بہو!

لکشمی۔ (دوڑ کر جاتی ہے) ہاں، اٹھو اماں، وہ بالکل اچھے ہیں ہے رام
بے کار ہی ایسا ڈر گئے۔ اٹھو (اٹھاتی ہے)

روپا۔ وہ آئے کیوں نہیں۔

لکشمی۔ کرفیو کے مارے، اچھا تو کیا۔

عائشہ۔ ہاں، اچھا کیا۔

روپا۔ پر یہاں تو جان آدھی ہو گئی۔ عائشہ آج ادھر ہی سو جاؤ۔ ہاں
یہی تو میں بھی سوچ رہی تھی۔ اکیلا گھر تو پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے۔
نماز پڑھ کر آجاؤں گی۔ اپنی طرف جاتی ہے۔

(پردہ)

تیسرا منظر

(پردہ اٹھتا ہے تو تینوں عورتیں غافل سوتی نظر آتی ہیں۔ اسٹیج پر ہیبت ناک تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ صرف دو دیئے صحن میں رکھے ہوئے ٹمٹما رہے ہیں۔ صرف روشنی کا دائرہ روپا کے اوپر آہستہ آہستہ چھوٹا ہونا شروع ہوتا ہے۔ روپا کے چہرے پر کرب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پیر میں تشنج ہوتا ہے۔ اور درد سے کراہتی ہے۔ جیسے سوتے میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہے۔ دائرہ گھٹ کر صرف چہرے پر رہ جاتا ہے۔ روپا کے کانوں میں درد سے وہی ڈراؤنی پکار گونجتی ہے جو آہستہ آہستہ قریب آ جاتی ہے۔ روپا تڑپ کر اٹھ بیٹھتی ہے۔ اور ہاتھ پھیلا کر دوڑتی ہے)

روپا۔ (خواب کی حالت میں) نہیں، نہیں، نہ مارو، میرے لال کو۔۔ بچاؤ بچاؤ۔۔۔ بھگوان کے لئے دیا کرو۔۔۔ (بری طرح

کلیجہ سوکھتی ہے) نہ مارو، چھوڑ دو (گڑگڑا کر) اسے چھوڑ دو، یہ ہندو نہیں یہ مسلمان نہیں۔ یہ تو مجھ ابھاگن کا بیٹا ہے میرا بیٹا۔ دیکھو... دیکھو... میری طرف دیکھو... یہ میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے اس نے کبھی کسی کو نہیں مارا... میں نے بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑا ... نہ بہاؤ اس کا لال لال خون، مٹی پر نہ پھینکو یہ ماں کا دودھ ہے۔ ماں، تمہاری بھی تو ماں ہے؟ جس نے تمہیں جنم دیا۔ میں نے بھی اس کو جنم دیا ہے، میں نے بڑے دکھ جھیل کر اسے پالا ہے۔ یہ دیکھو سلائی کرتے کرتے میری آنکھیں پھوٹ گئیں۔ چکی پیستے پیستے ہتھیلیوں میں گھٹے پڑ گئے۔ (بےبسی سے خیالی بھیڑ کو روکتے ہوئے) ٹھہرو... پرمیشور کے لئے دیا کرو... نہ مارو، نہ مارو میرے لال کو... آہ... آہ (دونوں ہاتھوں سے خیالی سورج کو بچاتی ہے، ایک کرسی سے ٹکرا جاتی ہے)

عائشہ۔ (سوتے میں کانپتی ہے)

روپا۔ (زمین پر گر کر سسکیاں بھرتی ہے) مار ڈالا... مار ڈالا میرے بچے کو... آہ۔

عائشہ۔ (کے چہرے پر روشنی کا دائرہ پڑتا ہے۔ سوتے میں اس کے کان میں بھی وہی موت کی مہیب پکار گونجتی ہے اور کرب سے بےچین ہو کر عائشہ لڑکھڑاتی ہوئی اٹھتی ہے) مار ڈالا... ظالموں ... تم نے میرے خورشید کو مٹی میں ملا دیا... (ہیبت زدہ

جیسے لاش کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھور رہی ہے) تم نے اس کے سینہ میں چھرا گھنگھول دیا۔ آہ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی آنکھیں باہر نکل پڑیں (پاگلوں کی طرح کچھ جھک کر سمیٹنے لگتی ہے) تم نے مجھ ادھ مری بڑھیا کا آخری سہارا لوٹ لیا۔ (چیخ کر) انہیں بے رحم ہاتھوں سے تم نے میرا سہاگ ملیا ملیٹ کیا تھا، آج انہیں ہاتھوں سے میرا کلیجہ نوچ کر پیروں تلے مسل ڈالا۔ واہ کیا سورما ہو، واہ واہ کیا کہنے، (اپنی طرف اشارہ کر کے) ہڈیوں کے ڈھانچے سے مقابلہ کرتے ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بتاؤ کیوں؟ ۔ ۔ ۔ کیوں؟ میں نے (لجاجت سے) تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم نے میرے گھر کا چراغ بجھا دیا۔ میں نے تم سے کیا چھینا تھا۔ سو تم نے میرا سب کچھ چھین لیا۔ ۔ ۔ ۔ مجھے اندھا کر دیا اب بتاؤ میں کہاں جاؤں۔ کسے ڈھونڈوں کسے پکاروں، کس سے انصاف مانگوں۔ ۔ ۔ ۔ یا خدا! ۔ ۔ ۔ (آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر) تو دیکھ رہا ہے؟ تو بتا، میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو یوں میری ساری زندگی کو دوزخ بنا دیا۔ ۔ ۔ ۔ اور اس نے (خیالی لاش کی طرف اشارہ کر کے) اس معصوم نے کیا گناہ کیا تھا۔ ۔ ۔ (جھک کر خیالی لاش کو پیار سے چھوتی ہے) میرا خورشید یہ تیرا لال لال خون (خون ہاتھ میں لے کر گال پر ملتی ہے) میرا خون! بیکس اور لاچار کا خون! ۔ ۔ ۔ یہ درندے پی گئے۔ ۔ ۔ اب تو ان کے کلیجے ٹھنڈے ہو گئے۔ ۔ ۔ پیاس بجھ گئی۔ ۔ ۔

(بھیڑ کو ڈھکیلتی آگے بڑھتی ہے) ہٹو ۔ ۔ ۔ میں اپنے لال کی لاش اٹھا لوں ۔ ۔ ۔ نہیں تو اسے کتّے نوچیں گے۔ گدھ ۔ ۔ ۔ گدھ (سہمی ہوئی چاروں طرف دیکھتی ہے) ملک الموت کے چوبدار میرے بچے کی لاش پر تاک لگائے بیٹھے ہیں۔ (چارپائی پر لڑکھڑا کر گرتی ہے اور پیار سے تکیہ پر ہاتھ پھیرتی ہے ۔ ۔ ۔ میرے خورشید۔ چل تجھے دولھا بناؤں، رجب میں تیرا بیاہ ہونے والا تھا تو یہ تیری بارات آ گئی ۔ ۔ ۔ یہ لال لال خون کی مہندی رچ گئی ۔ ۔ ۔ خورشید ۔ ۔ ۔ میرے کلیجے کے ٹکڑے (آہستہ آہستہ آواز ڈوب جاتی ہے اور منہ کے بل گر کر سو جاتی ہے)

(اب اکیلی لکشمی سو رہی ہے۔ روشنی کا دائرہ اور ڈراونے کالے کالے سایے اسے چاروں طرف سے گھونٹتے ہیں اور وہی آواز مارو ۔ ۔ ۔ مارو ۔ ۔ ۔ آہستہ اور پھر بلند کانوں میں گھستی ہے ۔ ۔ ۔ لکشمی ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی چوڑیاں چھپا لیتی ہے)

لکشمی۔ (کسی خیالی شے سے بچتی چوڑیاں چھپائے بھاگتی ہے) نہیں ۔ ۔ ۔ نہیں نہ توڑو ۔ ۔ ۔ نہ توڑو میری دھانی بانکیں۔ میں نے آج ہی تو پہنی ہیں۔ یہ تو کانچ کی ہیں۔ دو کوڑی کی بھی نہیں، تمہارے

کس کام آئیں گی۔ پر میرا تو ان سے سہاگ بندھا ہوا ہے . .
. . آہ نہ توڑو . . . (ایک دم اپنی مانگ چھپا لیتی ہے)
میری مانگ نہ اجاڑو، یہ چاول بھر لال کم کم تمہارے کس کام کی . . .
آہ! مار ڈالا (بے کسی سے چپ چاپ کھڑی ہو جاتی ہے اور
گھٹی گھٹی آواز سے رو پڑتی ہے) آہ . . . تم نے . . .
تم نے انہیں مار ڈالا۔ اے چوڑی چھاتی والے جوان، میں تو تمہاری
بہن سری کی ہوں تم نے بہن کا سہاگ لوٹ لیا، (دوسرے خیالی
کردار سے) تم . . . اے لمبی داڑھی والے بابا . . . تم
نے اپنی بیٹی کی مانگ نوچ ڈالی۔ تم نے . . . ایک نربل لڑکی
کو زندہ چتا پر پھونک دیا۔ (آواز گھٹ کر بھیانک ہو جاتی ہے)
ودھوا! . . آہ ودھوا میں ودھوا ہوں۔ اب کیا ہو گا ؟
(بھیانک صورت ہو جاتی ہے) بولو . . . اب میں کہاں جاؤں
کیا کروں ؟ یہ پہاڑ سا جیون کیسے بتاؤں (ایک دم جوش سے)
تو پھر مجھے بھی مار ڈالو . . میرے پتی کے خون میں لتھڑی تلوار
کو میرا خون بھی چٹا دو۔ (پاگلوں کی طرح ہنستی ہے) ہاں، ہاں
. . . پھر میں ان سے جا ملوں گی . . . . دیکھتے کیا ہو
. . . مارو (آنسو بھر رہے ہیں مگر مسکراتی ہے) اور آنکھیں
بند کر کے منتظر کھڑی ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہتی ہے۔
پھر آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتی ہے۔ آنکھوں میں نیا استقلال چمکنے

لگتا ہے۔ چہرے پر غرور اور خودداری جگمگا اٹھتی ہے (حقارت سے خیالی بھیڑ کو دیکھتی ہے اور زور سے ڈانٹتی ہے) خبردار مجھے ہاتھ نہ لگانا ۔۔ میں گربھ وتی ہوں (غرور سے تن کر) گربھ وتی دیوی ہوتی ہے۔ دیوی کا اپمان نہ کرنا اگر تم نے میرے خون کی ایک بوند بھی دھرتی کے سینے پر ٹپکائی تو سدا کے لئے بانجھ ہو جائے گی۔ میرا خون پی کر مٹی اناج اگلنا چھوڑ دے گی۔ میرے خون کے دھبے تمہارے ہاتھوں دھوئے نہ چھوٹیں گے۔ میں نئی دنیا کو جنم دینے والی ہوں! میں نئی آشا کی ماں ہوں۔ اگر تم نے مجھے مار دیا تو تمہارا ناس ہو جائے گا۔ دنیا جنم جنم تک تمہاری صورتوں پر پھٹکار بھیجے گی۔ تمہارا کہیں ٹھکانا نہ رہے گا دور ہو جاؤ۔ ۔ ۔ تمہاری تلواریں میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں۔ تمہارے خنجر میری طرف نہیں اٹھ سکتے۔ میں نئی دنیا کو جنم دوں گی (چہرے پر اطمینان اور سکون چھا جاتا ہے)

روپا۔ (جاگ کر حیرت سے بہو کو دیکھ رہی ہے۔ اس کے الفاظ روپا کو تقویت پہنچاتے ہیں)

عائشہ۔ (امید بھری نظروں سے بہو کے چہرے کی غیر معمولی روشنی کو تکتی ہے)

لکشمی۔ (آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جاتی ہے جیسے وہ کسی بلند مقام پر فاتحانہ انداز سے چڑھتی چلی جا رہی ہو) وہ میری ننھی منی دنیا، پریم اور شانتی کا سندیسہ سارے جگ میں پھیلائے گی (بلندیوں کی طرف امید اور شوق سے دیکھتی ہے) یہ کالے بادل چھٹ جائیں گے۔ نیا سورج جنم لے کر دنیا کو

جگمگا دے گا۔ (جذبات کی فراوانی سے آواز گھٹ جاتی ہے اور آنسو بہنے لگتے ہیں) آپس کی کھوٹ مٹ جائے گی . . . . . .

عائشہ۔ (اور روپا صحن میں رکھے ہوئے دیئے اٹھا کر بتیاں اکساتی ہیں اور دونوں بہو کا چہرہ دیکھنے کو بڑھتی ہیں)

لکشمی۔ بھائی بھائی مل جائیں گے۔ پرکاش !!

روپا۔ (اور عائشہ بڑھ کر دیئے بہو کے چہرے کے سامنے کرتی ہیں۔ دونوں دیئوں کی کانپتی ہوئی لویں مل کر ایک دم سے ایک بڑی سی لو چپک اٹھتی ہے۔ جس کی روشنی میں لکشمی کا چہرہ سورج کی طرح جھلملا اٹھتا ہے)

عائشہ اور روپا۔ (جذبات سے بے قرار ہو کر) بہو لکشمی !

لکشمی۔ (اپنی جیت کے احساس میں مست آنکھیں بند کئے سر پیچھے ڈالے مسکراتی رہتی ہے، اس کے لب آہستہ آہستہ ہلتے ہیں)

پرکاش !۔ پرکاش !!

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

لیکن

غالب کے زمانے اور **عصمت چغتائی** کے زمانے

میں بہت فرق ہے۔

«ایک بات»

عصمت چغتائی کے تازہ افسانے — جو مل کر ایک نہ بھولنے والی بات بن گئے ہیں — جس میں عصمت نے اپنے بے باکانہ اسلوب نگارش، تیکھے تیکھے طنزیہ لہجے اور موضوعات کے تنوع سے ہندوستان کی ٹھہری ہوئی متعفن زندگی کے تالاب میں پھر ایک بار کئی نوکیلے کنکر اچھالے ہیں، زندگی کے لطیف ترین حصوں کی فصد کھولنے میں اس کی نگاہ تیز تیز نشتر کا کام کرتی ہے — ہر افسانہ ان لوگوں کا جواب ہے، جو صرف باتیں بنانا جانتے ہیں —

ایک بات میں لاکھوں تیکھی تیکھی باتیں کہی گئی ہیں

تین

نیا ادارہ • لاہور

سویرا آرٹ پریس، لاہور